لاتبدیل لکلمات اللہ ۔ القرآن

قرآنِ محکم

جس کی کوئی آیت منسوخ نہیں

رشحۂ قلم
حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی
رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند
نائب امیر شریعت بہار و اڑیسہ

مکتبہ دارالعلوم دیوبند

لاتبديل لكلمات الله (القرآن)

حنفی کتب خانہ محمد معاذ خان

قرآنِ محکم

جس کی کوئی آیت منسوخ نہیں

رشحۂ قلم

حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی

رکن مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند

نائب امیر شریعت بہار واڑیسہ

ناشر

مکتبہ دار العلوم دیوبند

نام کتاب

قرآنِ محکم

رشحۂ قلم

حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی

صفحات : ایک سو بیس (120)

تعداد : گیارہ سو (1100)

قیمت :

ناشر

مکتبہ دار العلوم دیوبند

کلماتِ طیبات!

از:۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ
مہتمم دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نائب امیر شریعت بہار و رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، مولانا ممدوح کا علمی فضل و کمال، عالمانہ رُخ اور انتھک علمی خدمات، علمی حلقوں میں ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

ان کے تعارف کیلئے خود انہی کی علمی شہادتیں کافی ہیں، جو انہیں علمی ذہنوں میں متعارف بناتی رہی ہیں اور بناتی رہیں گی، کسی بیرونی قلم کو کبھی بھی اس تکلیف و تکلف کی ضرورت نہ ہو گی کہ وہ ان کے تعارف کے لئے کاغذ پر سرنگوں ہو۔

حضرت مولانا کی بہت کافی تصانیف ہیں جو علمی جواہر پاروں سے پُر اور لبریز ہیں، لیکن ان میں زیر نظر تصنیف "قرآن محکم" حقیقت یہ ہے کہ ایک علمی شاہکار ہے جو قرآن کے بارے میں انہی کے قلم حقیقت رقم کیلئے تکوین الٰہی نے مخصوص کر رکھا تھا۔

قرآن حکیم کے بارے میں یہ تصور کہ اس کی کچھ آیتیں منسوخ ہیں، ایک زمانہ تک ان کا حکم باقی رہا اور پھر ختم کر دیا گیا، گویا ایک خاص وقت تک وہ قابلِ عمل تھیں اور پھر نہ رہیں، طبعی طور پر ایک ایسا تصور ہے جو دلوں کے لئے ناقابلِ تحمل بار بن جاتا ہے۔

گو یہ صحیح ہے کہ نسخ کے معنی کسی سابقہ حکم کی غلطی یا معاذ اللہ بے محل اور بے وقت ہونے کے نہیں ہیں، جس سے قرآن حکیم کے قطعی علم پر کوئی حرف آئے، لیکن قرآن حکیم چونکہ عالم کیلئے ایک بنیادی دستورِ زندگی ہے جو عالم کی زندگی کے آخری لمحات تک کے لئے ایک قطعی آئین و قانون کا درجہ رکھتا ہے، فروعات یا جزئیات کا مجموعہ نہیں ہے جو اپنی ذات سے ایک حد تک باذنِ الٰہی وقت کے دائروں میں محدود و مقید ہو کر بھی نازل ہو سکتی ہے، اس لئے قرآن کے بارے میں نسخ کا لفظ سامنے آتے ہی دلوں پر یہ بوجھ یقیناً پڑ جاتا ہے کہ کیا قرآن کے اصول و کلیات بھی وقتی اور ہنگامی ہو سکتے ہیں

جو کسی وقتِ خاص تک قابلِ عمل ہوں اور پھر نہ رہیں؟ درحالیکہ اصول کے معنی ہی غیر ہنگامی اور دوامی کے ہیں اور کیا قرآن کے ارشاد فرمودہ احکام خواہ وہ جزوی بھی ہوں مگر اصول و کلیات کا ظرف ہونے کی وجہ سے کیا وقتی ہو سکتی ہیں کہ وہ کسی وقت قابلِ عمل ہوں اور وقت ختم

ہونے پر وہ بھی ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائیں ؟

یقیناً یہ ذہنوں کا ایک مستقل بوجھ تھا جسے ناقابلِ تحمل کہا جا سکتا ہے، پھر اس بوجھ کو علماء امت تو کسی نہ کسی طرح اپنی عرفانی ذہنیت سے برداشت کر سکتے تھے لیکن منسوخ آیات کی فہرست معاندوں اور مخالفوں کیلئے اُن کے عناد و اختلاف کی وجہ سے ایک مستقل دستاویزی صورت بن سکتی تھی، اور یہی قرآن کی قطعیت پر اتہام طرازیوں کا ایک مستقل راستہ بنائی جاتی رہی ہے

جیسا کہ مسئلہ نسخ کو غلط طریق پر اٹھا کر اس قسم کے مطاعن قرآن حکیم پر کئے بھی گئے اور علماء امت نے ان کے دنداں شکن جوابات بھی دئے تاہم ان مدافعتوں سے محاذ ختم نہیں ہو سکا اور حقیقتاً قرآن کے ساتھ نسخ آیات کا جوڑ حقیقی اور طبعی ہے بھی نہیں، اسی لئے علماء امت نے نسخ کی مثالوں کو کم سے کم کرنے کی اور قرآن حکیم کو نسخ سے زیادہ سے زیادہ مبرا ثابت کرنے کی مشکور مساعی انجام دیں اور وہ اس نسخ کو کم سے کم تعداد پر اتار لائے،

مؤیدین نسخ کے اقوال کے مطابق منسوخ آیات کی تعداد کو علامہ سیوطی پانچ سو سے گھٹا کر انیس تک لے آئے، اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اس انیس کی تعداد کو گھٹا کر پانچ تک لے آئے اور حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نے اسے پانچ سے صفر تک پہنچا دیا۔

طبعی طور پر اس تقلیل کی آخری کڑی یہی ہو سکتی تھی کہ قرآن میں سرے سے نسخ کا وجود ہی نہیں تاکہ ان خلجانوں کیلئے کوئی منشا ہی باقی نہ رہے سو اس کا قرعۂ فال حضرت مولانا عبد الصمد صاحب مدظلہ کے نام نامی پر نکلا اور آپ نے تقلیلِ نسخ کو انتہائے تقلیل پر پہنچا کر سرے سے ختم فرمادیا اور دوٹوک دعویٰ فرمادیا کہ قرآن محکم میں بلحاظ حقیقت کوئی ایک آیت بھی منسوخ نہیں ہے بلکہ وہ صرف محکمات کا مجموعہ ہے۔

جہاں اس سے قرآن کریم کی آیات محکمہ کا علوِ شان ظاہر ہوا وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اس سلسلۃ الذہب شیخ سیوطیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ میں ایک کڑی کی جگہ خالی تھی تو حق تعالیٰ نے یہ مقام عزت و مکرمت حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی مدظلہ کو مرحمت فرمایا ہے۔

بہرحال میں تو اپنی حد تک یہ عرض کرتا ہوں کہ اس رسالہ کو پڑھ کر بے حد انشراح نصیب ہوا اور حضرت مولانا کے اس علمی احسان کے برملا اعتراف پر اپنے کو مجبور پایا، اللہ تعالیٰ حضرت مصنف مدظلہ کی ذات بابرکات سے تشنگانِ علوم و معارف کو تادیر سیراب رکھے اور اس عظیم قرآنی خدمت کو زیادہ سے زیادہ قبولیت و مقبولیت ارزانی فرمائے۔ اللّٰہم آمین والحمد للہ رب العالمین۔

محمد طیب

مہتمم دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین "قرآن محکم"!

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	فہرست مضامین کتاب	
۲	کلمات طیبات	
۳	مقدمہ (از مولانا ظفیرالدین صاحب مفتاحی)	۳
۴	مؤلف کتاب ؍؍	۸
۵	دیباچۂ مصنف	۱۵
۶	کیا قرآن نسخ کا حامی ہے	۱۷
۷	مثبتین نسخ کے دلائل	۱۹
۸	پہلی آیتِ نسخ	۲۰
۹	جملہ شرطیہ کا مفہوم	۲۲
۱۰	دوسری آیت نسخ	۲۵
۱۱	تیسری آیت نسخ	۲۶
۱۲	چوتھی آیتِ نسخ	۳۱
۱۳	فذلکۃ الکلام	۳۱
۱۴	تخییل نسخ کی وجہ	۳۲
۱۵	وجوہِ اختلاف	۳۷
۱۶	تحقیقی جواب (نسخ کے معنی علماء متاخرین کی نظر میں)	۴۱
۱۷	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ	۴۱
۱۸	حضرت محدث کشمیریؒ	۴۲
۱۹	حافظ ابن القیمؒ	۴۳

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ	نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۲۰	علامہ خضری	۴۵	۳۱	شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ از قرآن مجید میں پانچ آیتیں منسوخ ہیں	۸۸
۲۱	ایک حق بات	۴۷	۳۲	مذکورہ بالا پانچ آیتوں کی تطبیق	۹۰
۲۲	عود الی المقصود	۵۱	۳۳	پہلی آیت	۹۰
۲۳	نسخ کے معنی	۵۳	۳۴	دوسری آیت	۱۰۰
۲۴	ایک ضروری تنبیہ	۵۸	۳۵	تیسری آیت	۱۰۵
۲۵	کس نوع کی آیتوں میں نسخ ممکن ہے۔	۶۰	۳۶	چوتھی آیت	۱۱۱
۲۶	حاصل بحث	۶۳	۳۷	پانچویں آیت	۱۱۳
۲۷	مرتفع النسخ مکثرین	۶۴		نتیجہ بحث	۱۱۹
۲۸	علامہ سیوطیؒ کا فیصلہ از قرآن مجید میں کل انیس ۱۹ آیتیں منسوخ ہیں	۷۲			
۲۹	حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی چودہ آیتوں میں تطبیق۔	۷۳			
۳۰	خلاصہ کلام	۸۷			

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

(از مولانا محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی مرتب فتاویٰ دار العلوم دیوبند)

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

قرآن پاک کی خدمت کے مختلف گوشے ہیں اور ان تمام گوشوں پر علمائے حق نے جو گرانقدر خدمتیں انجام دی ہیں یہ تاریخ علم وفن کا نمایاں اور روشن باب ہے، کم وبیش چودہ سو سال سے یہ زریں خدمات نہایت خوش اسلوبی، اور ذوق علمی کے ساتھ انجام پا رہی ہیں، ہم اس پر جس قدر بھی اظہار مسرت کریں کم ہے، قرآن پاک کے مختلف پہلوؤں پر متعدد زبانوں میں ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں، مگر با ایں ہمہ کون کہہ سکتا ہے کہ اس پر اب لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

زمانہ کی رفتار اور حالات کے تقاضے پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ جانتے

ہیں کہ آئے دن اہلِ علم کے فرائض اہم ہوتے جارہے ہیں اور یہ بھی مسلّم ہے
کہ انقلابِ دوراں سے چشم پوشی ان کے لئے جرم کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے کہا جاسکتا
ہے کہ جن لوگوں کو قرآنِ مقدس سے شغف ہے ان کا فرض ہے کہ وہ اپنی جدّوجہد
برابر جاری رکھیں اور جو کچھ کرسکتے ہیں کتاب و سنت کی روشنی میں کرتے رہیں۔

قرآن پاک سے جو علمی مباحث متعلق ہیں، ان میں "ناسخ و منسوخ" کی
بحث ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے، اس عنوان پر عربی و فارسی اور اردو میں گو
بیسیوں کتابیں لکھی جاچکی ہیں اور نہ معلوم کتنی کتابیں اور لکھی جائیں گی، مگر
پھر بھی ضرورت تھی کہ اس مسئلہ کو صاف صاف طے کردیا جائے۔

الحمد للہ کہ زیرِ نظر رسالہ اسی موضوع سے متعلق ہے اور اپنے انداز کا
غالباً اردو میں پہلا رسالہ ہے، اس میں کتاب و سنت اور اقوال علمائے راسخین
فی العلم کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن پاک کی آیتوں میں کوئی آیت
اُس اصطلاحی معنیٰ میں منسوخ نہیں ہے جو معنیٰ آج کل عام طور پر منسوخ کے
سمجھے جاتے ہیں اور جس کے بہت سے علماء قائل بھی ہیں۔

اربابِ فضل و کمال سے یہ حقیقت ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ منسوخ
آیتوں کی تعداد غور و فکر کی برکت سے دن بدن کم ہوتی ہی چلی گئی، تا آنکہ
حکیم الامۃ حضرت الامام الشاہ ولی اللہ الدہلوی (م ۱۱۷۶ھ) کا دور آیا اور
آپ نے اپنی مشہور و مقبول کتاب "الفوز الکبیر" میں صراحت فرمادی کہ اب صرف

پانچ آیتیں ایسی رہ گئی ہیں جن کو منسوخ کہا جاسکتا ہے، ان کے علاوہ کوئی اور آیت ہرگز منسوخ نہیں ہے۔

مگر شیخ الہندؒ کے مشہور شاگرد اور حکمت ولی اللٰہی کے امام حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ دم ۱۳۶۳ھ) لکھتے ہیں، کہ الفوز الکبیر کی فصل ناسخ و منسوخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ناسخ و منسوخ قرآن میں سرے سے مانتے ہی نہیں ہیں البتہ شاہ صاحبؒ نے اس باب میں انداز حکیمانہ اختیار کیا ہے اور کھل کر نہ ماننے کی بات نہیں کہی ہے

مولانا سندھیؒ کے الفاظ یہ ہیں :-

"شاہ صاحبؒ کے رسوخ فی العلم کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے نسخ فی القرآن کے مسئلہ کو اطمینان بخش طریقہ سے حل کر دیا، الفوز الکبیر میں اس کی مفصل بحث موجود ہے، شاہ صاحبؒ نسخ کا لغوی ترجمہ متقدمین کی اصطلاح کو مانتے ہیں، یعنی متقدمین جب کسی آیت کو منسوخ کہیں گے، تو اس سے ان کی مراد کوئی خاص اصطلاحی معنی نہیں ہوں گے بلکہ لغوی مفہوم جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے وہی ان کی مراد ہوتا ہے، اگر کوئی مضمون ایک موقع پر مطلق یا مجمل بیان کر دیا جائے اور دوسرے موقع پر مطلق کی قیود واضح کر دی جائیں یا اجمال کو تفصیل سے بدل دیا جائے تو لغوی طور پر دونوں جگہ کہا جائیگا کہ دوسرے مضمون نے پہلے کو منسوخ کر دیا۔"[۵]

[۵] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر ص ۲۷۱ ؛

متاخرین نے نسخ کا جو اصطلاحی معنیٰ بیان کیا ہے اور اس کا جو معنیٰ آجکل مشہور ہے اسکے متعلق لکھتے ہیں :-

"یہ اصطلاح فقہاء کے باہمی اختلاف اور تضارب کے بعد پیدا ہوئی، شاہ صاحبؒ اس اصطلاح پر قرآن میں منسوخ نہیں مانتے، لیکن واضح رہے کہ شاہ صاحبؒ کا بیان اس فصل میں حکیمانہ ہے، قوم کی عام حالت کو مدنظر رکھکر انہوں نے اس مسئلہ کو تدریجاً سمجھانے کی سعی کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ پہلے اہل علم پانچسو آیتیں منسوخ مانتے رہے، لیکن شیخ جلال الدین سیوطی "اتقان" میں بیس سے زیادہ آیتیں منسوخ تسلیم نہیں کرتے۔"[1]

مولانا سندھیؒ اسکے بعد لکھتے ہیں :-

"شاہ صاحبؒ مذکورہ بیس آیتوں میں تطبیق دیکر نسخ کو پانچ آیتوں میں منحصر کر دیتے ہیں، اسکے بعد ہماری رائے یہ ہے کہ جس شخص نے ان پندرہ آیتوں کی تطبیق غور سے پڑھی، وہ باقی ماندہ پانچ آیتوں میں بھی بہ آسانی تطبیق دے سکتا ہے، شاہ صاحبؒ صراحۃً یہ نہیں کہتے کہ قرآن شریف میں کوئی آیت منسوخ نہیں، اگر وہ اس طرح صراحۃً لکھتے تو بعض معتزلہ کے قول سے تشابہ ہو جاتا اور عامۂ اہل علم

[1] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر ص ۲۷۱

اس پر غور کرنا ہی چھوڑ دیتے، اب صورتِ حال یہ ہے کہ مشکل آیتوں کو تو انہوں نے حل کر دیا اور نہایت آسان آیات میں نسخ مان لیا۔[1]

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مولانا سندھیؒ اور مولانا کے فہم کے مطابق خود حضرت شاہ ولی اللہ ناسخ و منسوخ کو نہیں مانتے تھے، پھر مولانا رقمطراز ہیں:-

"ان پانچ آیات میں جو سب سے زیادہ مشکل ہے ہم اسکو یہاں مثالاً بیان کرتے ہیں قَالَ الْإِمَامُ وَلِيُّ اللّٰهِ كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ الآية قلنا منسوخة بآية يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ وحديث لا وصية لوارث مبين للنسخ۔ (الفوز الکبیر ص۱۴)

مگر میرے شخصی حالات ایسے تھے جن سے مجھے تنبہ ہوا، میری والدہ غیر مسلم میرے ساتھ موجود تھی، میں بیمار ہوا تو مجھے اس کی فکر لاحق ہوئی کہ اگر میں مر جاؤں تو اس بیچاری کو کوئی نہیں پوچھے گا، اس وقت اس کی جس قدر خاطر تواضع کی جاتی ہے وہ میری وجہ سے ہے میرے مرتے ہی یہ محروم ہو جائے گی، اب مجھے وصیت کا مطلب سمجھ میں آیا کہ اگر ایسے حالات در پیش ہوں تو وصیت لازم ہے۔ اس لئے اس کو منسوخ کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس باقی ماندہ

[1] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر صفحہ ۱۴۲ ۔

چار آیتوں میں بھی تطبیق بہت آسان ہے وہ اولی اغیر اولی عزیمت

درخصت پر عمل کرنے سے حل ہوجاتی ہے۔"[۱]

اللہ تعالیٰ ہمیں اس رسالے کے مصنف حضرت مولانا عبدالصمد صاحب

رحمانی دامت برکاتہم کے فیوض و برکات سے نوازتا رہے کہ آپ نے کھل کر اس

مسئلہ پر قلم اٹھایا ہے اور اپنے خاص عالمانہ انداز میں قطعی طور پر اس مسئلہ کو

طے کردینے کی کوشش فرمائی ہے۔

مؤلف کتاب

فقیہ امت حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی دامت برکاتہم نائب

امیر شریعت بہار واڑیسہ علمی اور سیاسی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں

آپ اپنی عمر کی بہت سی منزلیں طے کر چکے ہیں، کیوں کہ آپ کا سنہ پیدائش

۱۳۰۷ فصلی ہے، بہ کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ مولانا مدظلہ کی تعلیم و تربیت

آپ کی والدہ مرحومہ کی دعا اور خصوصی توجہ کا صدقہ ہے اس لئے کہ آپ کی عمر

ابھی پانچ سال کی بھی نہیں ہوئی تھی کہ آپ کے سر سے آپ کے والد ماجد کا

سایۂ عاطفت اٹھ چکا تھا۔

زمانۂ تعلیم میں اس دور کے ذوق کے مطابق آپ پر معقولات کا غلبہ

---

[۱] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر ص ۲۷

تھا، چنانچہ درسیات سے فراغت کے بعد آپ اس شوق کی تکمیل میں صوبہ سرحد کے مشہور قصبہ "غورغشتی" تشریف لے گئے، اور وہاں مشہور معقولی عالم حضرت مولانا قطب الدین صاحبؒ کی خدمت میں رہ کر آپ نے شرح اشارات، شرح مطالع اور محاکمات جیسی اونچی کتابیں سبقاً سبقاً پڑھیں اور نہ معلوم آپ کبتک وہاں اس ذوق کی تکمیل میں مصروف رہتے کہ دفعۃً آپ کے مرشد قطب عالم حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جملہ پہونچا، "کیا اسکا دماغ خراب ہو گیا ہے جو ان کتابوں کے پڑھنے کیلئے وہ وہاں گیا ہے"

مرشد کامل قدس سرہٗ کا یہ جملہ پڑھتے ہی آپ نے کتاب بند کر دی اور اپنے شفیق ترین استاذ مولانا قطب الدینؒ کی خدمت میں پہنچ کر درخواست کی کہ اب میں گھر جا رہا ہوں کیونکہ مجھے پاگل ہونا نہیں ہے اور باصرار استاذ محترم کو راضی کیا اور وہاں سے روانہ ہو کر سیدھے خانقاہ رحمانی مونگیر، مرشد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آگئے، آپ کی اس ادا سے حضرت مونگیریؒ بہت خوش ہوئے، خانقاہ رحمانی مونگیر کے دوران قیام میں آپ سے ہر طرح کی علمی دینی اور اصلاحی خدمتیں لی گئیں، سب سے پہلے کتبخانہ کی خدمت سپرد ہوئی غالباً اس کا مقصد یہ ہوگا کہ آپکو کتابوں سے کافی مناسبت ہو جائے اور علمی دنیا آپ پر روشن ہو جائے، پھر افتار کی خدمت سونپی گئی جسے آپ نے بہت حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیا، جب قادیانیت اور آریہ سماجی تحریک کا زور

ہوا تو مجدد العلم والعرفان حضرت مولانا مونگیری رح دم ۱۳۴۶ھ ۱۹۲۷ء نے آپکو تصنیف
وتالیف پر لگادیا، چنانچہ ان فرق باطلہ کے رد میں آپ نے متعدد کتابیں لکھیں
خانقاہ رحمانی مونگیر میں آپ نے بہت دنوں تک حضرت اقدس رح کے
نام آنے والے خطوط کی پیشی کی خدمت بھی انجام دی، پھر وہ وقت آیا کہ حضرت
مولانا مفتی عبد اللطیف صاحب رح عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے صدر شعبہ دینیات
ہوکر وہاں تشریف لے گئے تو اسکے بعد آپ نے ہی صاحبزادگان گرامی قدر
حضرت مولانا نور اللہ رحمانی صدر جمعیۃ علماء بہار اور حضرت مولانا منت اللہ
رحمانی امیر شریعت بہار واڑیسہ وسجادہ نشین خانقاہ دامت برکاتہم دونوں
بھائیوں کو عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھائیں۔

ان تمام باتوں سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ حضرت مولانا مدظلہ اپنے مرشد
حضرت مونگیری قدس سرہ کی نظر میں کیا حیثیت رکھتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت
مونگیری رح جب تک بقید حیات رہے، آپ پوری دلجمعی کے ساتھ وہاں جمے رہے
اور مفوضہ خدمات بطیب خاطر انجام دیتے رہے:۔

البتہ جب قطب عالم حضرت مونگیری قدس سرہ کا وصال ہوگیا اور ادھر
ملک میں سیاسی تحریک نے زور پکڑا تو اس وقت آپکو وہاں کا مستقل قیام چھوڑنا
پڑا، ہندوستان کے مشہور مفکر عالم دین حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد
صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی مولانا رحمانی مدظلہ کے شفیق ترین اساتذہ میں تھے،

انہوں نے آپکو اپنا دست و بازو بنایا اور جنگ آزادی میں آپ سے بڑا کام لیا، حضرت مولانا سجادؒ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے موسس تو ہیں ہی اسی کے ساتھ امر واقعہ یہ ہے کہ آپ جمعیۃ علمار ہند کے مؤسسین میں بھی داخل ہیں، بلکہ جمعیۃ علمار کا تخیل سب سے پہلے حضرت مولانا سجاد رحمۃ اللہ علیہ کے ہی ذہن میں آیا، کیونکہ ۱۹۱۷ء میں آپ نے اُس وقت "انجمن علمائے بہار" قائم کی جب جمعیۃ علمار کا کوئی تصور بھی نہیں تھا۔

جمعیۃ علمار ہند نے ۱۹۳۰ء میں جب سول نافرمانی (حرب سلمی) کی تجویز پاس کی اور اکابر علمار گرفتار ہونے لگے، اس زمانے میں ایک وقت ایسا آیا کہ حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی مدظلہ جمعیۃ کے مرکزی دفتر دہلی کے ذمہ دار اعلیٰ بنائے گئے، اسی زمانہ میں آپ نے تھانہ بھون کے فتویٰ کا مدلل جواب لکھا، جو الجمعیۃ دہلی میں بیس پچیس قسطوں میں شائع ہوا، اس جواب میں آپ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوئے مقام کا پورا لحاظ رکھا اور یہی وجہ تھی کہ تھانویؒ مکتب فکر سے وابستہ حضرات نے آپ کے اس حسن ادب کو بہت سراہا۔

آپ جمعیۃ علمار ہند کے نائب ناظم بھی رہے ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت جب ۱۹۳۷ء میں الیکشن ہوا تو حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے "مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی" کے نام سے ایک سیاسی جماعت قائم کی اور اسکے

نام پر الیکشن لڑایا، اور کامیاب بھی ہوئے، بلکہ تین ساڑھے تین ماہ کے
لئے وزارت بھی بنائی اور اس مختصر عرصہ میں بہار کی سرکاری عدالتوں اور
دفتروں میں اردو کو اس کا حق دلوایا، اس پورے زمانہ میں مسلم انڈیپنڈینٹ
پارٹی کا پورا دفتر مولانا موصوف کے سپرد رہا، جسے آپ نے بڑی خوش
اسلوبی کے ساتھ چلایا۔

مولانا رحمانی مدظلہ کو حضرت مولانا سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے
امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کا ناظم بھی نامزد کیا، اور آپ نے بڑی تندہی سے
یہ خدمت بھی انجام دی، تاآنکہ جب ۱۷ر نومبر سنہ ۱۹۴۰ء کو بانی امارت شرعیہ
حضرت مولانا سجاد صاحبؒ اس دار فانی سے رخصت ہوگئے اور نیابت امارت
کا منصب خالی ہوا تو اس وقت یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ اس جلیل القدر عالم ربانی
اور مفکر اسلام کی جگہ کس ذات گرامی کو لایا جائے جو آپ کی صحیح جانشینی کا حق ادا
کرسکے، چنانچہ غور وفکر کے بعد امیر شریعت ثانی حضرت مولانا شاہ محی الدین رحمۃ اللہ
علیہ (م ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء) نے اس مسند پر آپکو بٹھایا جس پر آپ اب تک باقی ہیں، اور
امیر شریعت ثالث ورابع کا انتخاب مولانا موصوف کی ہی نگرانی میں انجام پایا
اور ان دونوں موقعوں پر درمیانی مدت میں امیر شریعت کے فرائض آپ نے
ہی انجام دیئے، امیر رابع کے انتخاب کے معاً بعد جب مولانا مفتی عثمان غنی صاحب مدظلہ
نے علیحدگی اختیار کرلی تو سال ڈیڑھ سال خود وہاں رہ کر افتاء کے فرائض انجام دیئے

رہے۔

ان سارے دینی اور سیاسی مشاغل کے باوجود حضرت مولانا مدظلہٗ کسی وقت بھی علمی خدمت سے غافل نہ ہوئے، برابر کچھ نہ کچھ لکھنے پڑھنے کا کام کرتے ہی رہے، یہی وجہ ہے کہ اب تک آپ کے قلم سے متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے

(۱) رویائے حقانی (۲) تذکرۃ النبی (۳) وید کا بھید حصہ اول (۴) حصہ دوم (۵) آریوں کا خوفناک ایشور (۶) قدامت اسلام (۷) ابدی نجات (۸) حدوث مادہ (۹) حدوث روح (۱۰) ابطال تناسخ حصہ اول (۱۱) حصہ دوم (۱۲) نیستی سے ہستی (۱۳) خطبات (۱۴) قتل مرتد (۱۵) شرکت کونسل (۱۶) ہندستان اور مسئلہ امارت (۱۷) کتاب العشر والزکوٰۃ (۱۸) ازالۂ شبہات (۱۹) رہبر زکوٰۃ (۲۰) زکوٰۃ کا مصرف اور اس کا شرعی نظام (۲۱) تاریخ امارت (۲۲) خطبات جمعہ، (۲۳) مقالات امارت شرعیہ حصہ اول (۲۴) حصہ دوم (۲۵) علامہ مشرقی، (۲۶) حیات سجاد (۲۷) انتخاب امیر رابع (۲۸) قضا کے چند اہم مسائل، (۲۹) نئے تقاضوں کا حل شریعت کی روشنی میں (۳۰) کتاب القضا (۳۱) تیسیر القرآن (۳۲) کلید تیسیر القرآن (۳۳) تلخیص الاتقان (۳۴) تذکرہ آدم (۳۵) تذکرہ نوح (۳۶) تذکرہ ہود (۳۷) تذکرہ صالح (۳۸) فاطمہ کا چاند (۳۹) نماز کی باتیں (۴۰) ایمان کی باتیں (۴۱) صحابہ کی انقلابی جماعت (۴۲) اسلام

میں عورت کا مقام (۴۳) پیغمبر عالم (۴۴) غیر مسلموں کی جان و مال کے متعلق اسلامی نظریہ (۴۵) جماعت اسلامی پر تبصرہ حصہ اول (۴۶) حصہ دوم، (۴۷) جماعت اسلامی کا دینی رخ حصہ اول (۴۸) حصہ دوم (۴۹) حصہ سوم (۵۰) حصہ چہارم (۵۱) جماعت اسلامی کے نظریات و افکار (۵۲) جماعت اسلامی کے دعاوی، طریقہ کار اور ضربات کا جائزہ (۵۳) قرآن محکم۔

ان کتابوں اور رسائل کے علاوہ ابھی بہت سے مسودات ہیں جو زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکے ہیں، ان گوناگوں مضامین پر مشتمل آپکی تصنیفات و تالیفات پر ایک گہری نظر ڈال کر سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپکو کن کمالات سے نوازا ہے، اور آپ کن خوبیوں کے مالک ہیں، جن علماء کو آپکے نزدیک رہنے کا موقعہ ملا ہے وہ اچھی طرح واقف ہیں کہ حضرت مولانا رحمانی مدظلہ کی نظر فقہ پر کس قدر وسیع، دور رس اور گہری ہے اور آپ کتنی جلد مسائل کی تہہ تک پہونچ جاتے ہیں۔

اسی کیساتھ آپ ایک عرصہ سے دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی ہیں مگر اپنی متواضع طبیعت کی وجہ سے گمنامی کی زندگی ہی آپکو محبوب ہے، اسوقت علماء بہار میں اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے آخری شخص ہیں اور علماء ہندوستان میں امتیازی شان رکھتے ہیں، دعا ہے اللہ تعالیٰ تا دیر آپکا سایہ ملک و ملت پر قائم رکھے اور صحت و سلامتی کی دولت سے نوازے، آمین یارب العالمین

۲۷ جمادی الثانی ۱۳۸۶ھ ۔

طالب دعا

محمد ظفیر الدین غفرلہ، دارالعلوم، دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً ومسلماً

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

آج سے پچاس[عہ] سال پہلے غفلت مآب مسلمانانِ ہند پر (انگریزی حکومت کی حمایت اور پشت پناہی کے زور پر) عیسائی مشنری کا ایک ایسا امڈتا ہوا سیلاب آیا تھا جس سے محسوس ہوتا تھا کہ شاید مسلمان اپنے دینی مال و متاع کو محفوظ نہ رکھ سکیں گے اور سراسیمگی و بیچارگی کی حالت میں "ارض اللہ واسعۃ" ان کے لئے اس قدر تنگ ہو جائے گی کہ ان کو بجز معبد عیسائیت کے دوسری

عہ یہ مقالہ میں نے غالباً ۱۹۱۵ء میں لکھا تھا جب آریہ سماجی فتنہ شباب پر تھا اور میں صحاح ستہ کے دورہ حدیث کے درس میں مصروف و مشغول تھا اسلئے طبع ہو کر اسکی اشاعت کا موقعہ نہ نکلا گرچہ علمی دربار و مجالس میں اسکی کافی اشاعت ہوئی، یہ مقالہ پہلی مرتبہ ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۹ء میں خانقاہ رحمانی مونگیر کے رسالہ "الجامعہ" میں قسط وار شائع ہوا تھا، اس کی افادیت کے پیش نظر اب ۱۳۸۶ھ میں نظر ثانی کے بعد دوبارہ کتابی شکل میں شائع ہو رہا ہے۔ :: مولف

جگہ پناہ نہیں ملے گی اور بالآخر یہ اسلام کے آغوش رحمت سے نکل کر کفار عیسائیت
میں مرتدانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جائیں گے ۔

مگر الحمد للہ نتیجہ اس کے خلاف نکلا ، اور بقول ، عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد
مسلمانوں میں دینی احساس بڑھ گیا اور ہر جگہ فرزندان اسلام کی ایسی جماعت
پیدا ہو گئی جو سیل عیسائیت کے لئے سد سکندری بن گئی اور انجام کار اس کی
بڑھتی ہوئی رو کو سر ٹکرا کر ناکام واپس ہونا پڑا اور آفتاب اسلام کی تیز شعاعوں
کی تمازت سے خاک مغاک بنکر خشک گڈھے کی صورت اختیار کر لینی پڑی ۔

اس دور کے بعد وہ زمانہ آیا کہ باسی کڑھی میں نیا اُبال آیا اور اب کے
یہی آواز کروڑوں خدا کے ماننے والے ہندوؤں کے گھر سے اٹھی جنھوں نے عقائد
کا ایک نیا جنم لیا تھا ، یہ فرقہ آریہ سماج تھا جس نے عیسائیت کے زنگ خوردہ
ہتھیاروں سے اسلام پر نیا حملہ شروع کر دیا ، حالانکہ وہ ہتھیار پہلے ہی مسلمانوں
کے ہاتھوں کند اور ناکارہ ہو چکے تھے ۔

ان کے جملہ اعتراضات میں سے ایک بڑا اعتراض قرآن شریف
کی آیتوں میں ناسخ و منسوخ آیات کا موجود ہونا ہے ، حالانکہ یہ وہ مسئلہ ہے
جس پر آج سے صدیوں پیشتر سب سے پہلے یہودیوں نے آواز اٹھائی تھی لیکن
اسی زمانہ میں علمائے اسلام نے دنداں شکن جواب دیکر ہمیشہ کے لئے ان کو
ساکت وخاموش کر دیا تھا ۔

اعتراض کی تفصیل اور اس کا جواب ناظرین اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں گے یہاں مختصراً جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں نہ کوئی آیت ناسخ ہے نہ کوئی آیت منسوخ ہے، اور یہی مسئلہ اس مضمون کا موضوع بحث ہے جس سے علاوہ برادران وطن کے تمام دنیا کے معترضین اسلام کو یہ بتانا ہے کہ جن جن آیتوں کو ناسخ و منسوخ سمجھا جاتا ہے، وہ محض غلط فہمی پر مبنی ہے، ورنہ قرآن مجید کا چہرہ اس بدنما داغ سے پاک ہے۔

کیا قرآن نسخ کا حامی ہے؟

اصولاً کسی مسئلہ کو کسی مذہب کی طرف منسوب کرنا اس وقت تک صحیح نہیں ہے، جب تک وہ خود اس کا حامی نہ ہو۔ کیوں کہ وہ امور جن کی نسبت اس مذہب کی طرف اس کے پیرو کرتے ہوں، اور وہ خود اس سے ساکت و خاموش ہو تو اس کی وقعت "پیراں نمی پرند مریداں ہمی پرانند" سے زیادہ نہیں ہے۔

اسی طرح ان مسائل سے انکار بھی صحیح نہیں ہو سکتا ہے جبکہ وہ مذہب خود معترف ہے، اسلئے کہ اس کا انکار کرنا دوسرے لفظوں میں اس کو محرف کہنا ہے، یا دنیا کے سامنے کسی ایسی متعفن اور سڑی ہوئی چیز کو جس کی بدبو اور تعفن کی لپک دور سے دل و دماغ کو خراب اور پریشان کر رہی ہو پر تکلف کشتی میں لگا کر ریشمی چادر سے ڈھک کر اس کی گندگی کا انکار کرنا ہے یہی وجہ ہے جس کے

باعث عیسائی مبلغین کا یہ دعویٰ کہ انجیل ساری دنیا کے لئے ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام تمام دنیا کے لئے آفتاب ہدایت ہیں ہمیشہ ہیچ میرز اور بے اعتنائی کی نگاہ سے دیکھا گیا کیوں کہ انجیل اس خیال کی حامی نہیں ہے بلکہ وہ اپنے کو اور حضرت مسیح علیہ السلام کو ایک خاص قوم بنی اسرائیل کے لئے داعی بتاتی ہے اور بس ع۔ اسی طرح آریہ سماجی فرقہ کا اپنی تحقیق کی بنا پر "روح، مادہ" کو ویدکی ہدایت کے بموجب خدا کی طرح ازلی اور قدیم بالذات ماننے ہوئے عہ اپنے مذہب کے اندر شرک کی تعلیم و اعتقاد سے انکار کرنا مذہبی اعتبار کا کھونا ہے

ع متی کی انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے "میں بنی اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا ہوں (۲۴/۱۵) اسی طرح مرقس کی انجیل (۷/ ۲۴ تا ۲۹) میں ہے کہ ایک یونانی عورت کی درخواست پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بچوں کی روٹی کے ٹکڑوں کو کتوں کے سامنے نہیں ڈالا جا سکتا مگر جب اس نے یہ کہا کہ "کتے بھی میز کے تلے لڑکوں کی روٹی کے ٹکڑوں سے کھاتے ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا "اس کلام کے سبب جا بدروح تیری بیٹی سے نکل گئی" (ملخصاً) عہ ستیارتھ پرکاش میں ہے۔ (سوال) ازلی کس کو کہتے ہیں اور کتنی اشیاء ازلی ہیں؟ (جواب) ایشور۔ جیو۔ اور کائنات کی علت مادی (پرکرتی)، یہ تین چیزیں ازلی ہیں۔ پھر آگے چل کر بغلی عنوان "ویدیتے" لکھ کر یہ لکھا ہے کہ جیو سے ایشور۔ اور ایشور سے جیو۔ اور ان دونوں سے پرکرتی اپنی ذات سے جدا ہے، اور تینوں ازلی ہیں (صفحہ ۲۷۵ باب اٹھواں)

اس اصول پر ہم سب سے پہلے قرآن شریف کی طرف توجہ کرنی چاہتے ہیں کہ خود قرآن ناسخ و منسوخ آیات کی موجودگی کا حامی ہے یا منکر؟ یا ان دونوں باتوں سے ساکت ہے؟ کیونکہ قرآن شریف اگر اس سے منکر یا ساکت ہے، تو اس کو اس کی طرف بغیر کسی دلیل کے منسوب کرنا ناقابل معافی جرأت ہے، جو سختی سے رد کردینے کے لائق ہے اور اگر معترف ہے تو اس کا انکار کرنا بددینی، اور لامذہبیت ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اس رسالہ کا موضوع "امکان نسخ" کا انکار نہیں ہے، بلکہ "وقوع نسخ" کا یعنی قرآن شریف میں ناسخ و منسوخ آیات نہیں ہیں، رہا یہ کہ خدا تعالیٰ نسخ کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس رسالہ کے دائرہ بحث سے خارج ہے۔

مثبتین نسخ کے دلائل

وہ اصحاب جو قرآن مجید میں وقوع نسخ کے قائل ہیں اور جن آیتوں سے بظاہر وقوع نسخ کی تائید سمجھتے ہیں اور ان کو استدلال میں پیش کرتے ہیں وہ آیتیں یہ ہیں

(۱) مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا (بقرہ ع ۱۳ پ ۱)

(۲) يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِندَهُ أُمُّ الْكِتَابِ (الرعد ع ۶ پ ۱۳)

(۳) وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنتَ مُفْتَرٍ (النحل ع ۱۴ پ ۱۴)

(۴) سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنسَىٰ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ (الاعلیٰ ع ۱ پ ۳۰)

پہلی آیت نسخ

پہلی آیت ثبوت وقوع نسخ میں سب آیتوں سے زیادہ قوی سمجھی جاتی ہے، کیونکہ اس میں صاف طور سے لفظ نسخ مذکور ہے جس کا ترجمہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ "ہم جب کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا اس کو بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر آیت نازل کرتے ہیں"

اس آیت کا یہ ترجمہ اگر نحوی، حیثیت سے صحیح ہوتا تو وقوع نسخ کے ثبوت کے لئے یہ آیت بلاشک زبردست قطعی دلیل ہوتی۔ مگر یہ ترجمہ نحوی حیثیت سے صحیح نہیں ہے۔ بلکہ غلط ہے، اس لئے کہ "ما ننسخ" پر لفظ "ما" اسماء جازمہ[عہ] سے ہے اور اسی وجہ سے ننسخ مجزوم ہے۔ اور یہ "ما" "انْ شرطیہ"[عہ]

عہ ومن السماعیۃ اسماء تجزم المضارع علی معنی انْ وھی تسعۃ - اعلم ان ھذہ الاسماء وضعت موضع انْ لقرب من الایجاز والاختصار پھر اس کی مثالوں سے توضیح کی گئی ہے، پھر لفظ "متیٰ" جو ذوی العقول کے لئے ہے اس کی مثال دینے کے بعد لکھا ہے: وعلیٰ ھذا ما نحو ما تصنع اصنع - اذ المعنی شیئاً ما تصنع اصنع لان ما مبھم یقع علی کل شی فلما قصد الشیاع (بر صفحہ آئندہ)

کے معنی میں ہے اور "اِن" شرطیہ، فعل کو مستقبل کے معنی میں کر دیتا ہے، پس موقع استدلال میں اس آیت کا مستدل بنانا اوّل تو اسلئے صحیح نہیں ہے، کہ "نَنْسَخْ" کے ترجمہ میں بجائے زمانۂ استقبال کے زمانۂ حال اختیار کیا گیا ہے جو غلط ہے، دوسرے یہ کہ جملہ شرطیہ کو کسی امر کے وقوع سے تعلق نہیں ہوتا ہے، نہ جملہ شرطیہ کے ذریعہ کسی امر کا وقوع بیان کیا جاتا ہے. بلکہ اس میں فرض کے طور پر کسی چیز کے لئے کوئی حکم بیان کیا جاتا ہے اور بس! لہذا یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ موقع استدلال اور علمی بحث میں ان تراجم کو مستدل بنانا علمی غلطی ہوگی جو عام لوگوں کیلئے عام فہم زبان میں ان کی فہم کے پیش نظر کئے جاتے ہیں.

پس اس آیت سے نسخ آیت کا نہ وقوع سمجھا جا سکتا ہے نہ نسخ آیات کے وقوع کو اس میں بیان کیا گیا ہے. زیادہ سے زیادہ اس سے یہ ثابت ہوگا، کہ بالفرض اگر کوئی آیت یعنی حکم منسوخ ہوگا تو اس سے بہتر حکم بارگاہ خداوندی سے نازل ہوگا نہ یہ کہ خدا نے کسی آیت یعنی حکم کو منسوخ فرما دیا اور اسکے بدلے میں دوسرے حکم کو نازل فرمایا، پس آیت کا صحیح ترجمہ قاعدہ کے مطابق یہ ہوگا کہ ہم "جس حکم کو (قرآن کی) آیت سے منسوخ کر دیں گے یا بھلا دیں گے تو اس سے بہتر حکم نازل کریں گے"

(حاشیہ صفحہ سابق) اتی بہ وجعل ناتیا منا ب حرف الشرط کما ذکرنا فی" مرت ۱۹ (ضوء المصباح ص۹۰ و ص۱۷۹) عہ تفسیر کبیر میں ہے فقولہ ننسخ شرط وقولہ نات جزاء وکلاھما مجزومان (ص۶۵۸ / ج۱) (مولف)

جملہ شرطیہ کا مفہوم

پھر جملہ شرطیہ کو جس طرح کسی امر کے وقوع کے ثبوت میں پیش نہیں کیا جا سکتا ہے اصولاً کسی امر کے نفس امکان کے ثبوت میں بھی اس وقت تک پیش نہیں کیا جا سکتا ہے، جب تک دوسرے دلائل کی بنا پر اس کا امکان ثابت نہ ہو چکا ہو کیونکہ جملہ شرطیہ سے ممتنع اور محال چیزوں کو بھی فرضی طور پر بیان کیا جاتا ہے اور اس کی مثالیں قرآن شریف میں بہت ہیں، مثلاً :-

(۱) قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ (زخرف ع پ ۲۵)	اے نبیؐ کہہ دیجئے کہ اگر خدا کا لڑکا ہوگا تو پرستاروں میں سب سے پہلا شخص میں ہوں گا۔
(۲) لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ. الخ (زمر ع پ ۲۴)	(اے محمد صلعم) اگر آپ شرک کریں گے تو آپ کے اعمال حبط و برباد ہو جائیں گے
(۳) وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ (انبیاء ع پ ۱۷)	اور ان فرشتوں میں سے جو یہ دعویٰ کریگا کہ اللہ کے سوا میں خدا ہوں تو ہم اسکو جہنم کی سزا دینگے اور سرکشوں کو ہم ایسے ہی سزا دیتے ہیں۔

یہ تینوں آیتیں جملہ شرطیہ ہیں، ان میں سے پہلی آیت میں خدا کیلئے بیٹا فرض کیا گیا ہے اور اس کے لئے ایک حکم بیان کیا گیا ہے، دوسری آیت میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شرک کا عمل میں لانا فرض کیا گیا ہے اور اسکے لئے ایک حکم ثابت کیا گیا ہے تیسری آیت میں فرشتوں کو خدائی کا مدعی فرض کیا گیا ہے اور اس کے متعلق ایک حکم ارشاد فرمایا گیا ہے ۔

پہلی آیت

پہلی آیت " قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ الخ " سے آج تک کسی مسلمان نے یہ نہیں سمجھ کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے لئے بیٹا ہوگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی پرستش کریں گے اور نعوذ باللہ ایسا وقوع میں آسکتا ہے یا وقوع میں آنا ممکن ہے اور نہ آج تک دوسری آیت سے کسی مسلمان نے یہ سمجھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم ذات سے شرک ایسے ناپاک معصیت کا صدور ہوگا اور آپ کے سارے اعمال حبط اور برباد ہو جائیں گے اور نعوذ باللہ آپ کے معصوم ہوتے ہوئے آپ سے شرک ایسا ناقابل معافی گناہ وقوع میں آسکتا تھا یا وقوع میں آنا ممکن تھا اور نہ آج تک تیسری آیت سے کسی مسلمان نے یہ سمجھا کہ فرشتے خدائی کا دعوی کرسکتے ہیں یا قرآن مجید کی اس شہادت کے بعد کہ " بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ " (انبیاء ع ۲ پ ۱۷) فرشتے معزز بندے ہیں اسکے آگے بڑھکر بات نہیں کرسکتے اور وہ اسی کے حکم پر کاربند رہتے ہیں ۔ ان سے اس طرح کا دعوی وقوع

میں آنا ممکن ہے۔ ہرگز نہیں۔

حاصل یہ کہ باتفاق جملہ اہل علم جملہ شرطیہ سے نہ کسی چیز کا وقوع سمجھا جاتا ہے نہ اس سے کسی امر کا امکان ہی ضروری طور پر سمجھ میں آتا ہے، لہذا اس پہلی آیت سے جس کو وقوع نسخ کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے اس پر روشنی نہیں پڑ سکتی ہے کہ قرآن شریف میں ناسخ و منسوخ آیات موجود ہیں۔ بلکہ امکان نسخ کیلئے بھی سند میں پیش کرنا صحیح نہیں ہو سکتا ہے، تفسیر کبیر میں اس آیت سے وقوع نسخ کے استدلال پر لکھا ہے

والاستدلال به ایضا ضعیف لان ماههنا تفید الشرط و الجزاء وکما ان قولك من جاءك فاکرمه لا یدل علی حصول المجئ بل علی انه متی جاء وجب الاکرام فکذا هذه الآیة لا تدل علی حصول النسخ بل علی انه متی حصل النسخ وجب ان یاتی بما هو خیر منه (ص ۱۶۰/۱)

اس آیت سے وقوع نسخ پر استدلال ضعیف ہے اس لئے کہ "ما" نے اس جگہ شرط اور جزاء کے معنی پیدا کر دیے ہیں اور جسطرح تمہارا یہ قول من جاءک فاکرمہ (جو شخص تمہارے پاس آئے تم اسکی عزت کیجیو) آنکے حصول اور وقوع پر نہیں دلالت کرتا ہے بلکہ اس امر کو بتاتا ہے کہ وہ جب آئیگا تو اکرام واجب ہوگا اسیطرح یہ آیت بھی نسخ کے حصول و وقوع پر دلالت نہیں کر سکتی بلکہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جب نسخ کا حصول ہوگا تو واجب ہوگا کہ اس منسوخ حکم کی بہتر حکم نازل ہو

Scanned with CamScanner

دوسری آیت نسخ

دوسری آیت "یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ" کو وقوع نسخ کے ثبوت میں پیش کرنا دعوی خاص کو دلیل عام سے ثابت کرنا ہے جس کا مستلزم مدعا ہونا بداہتہً باطل ہے، کیونکہ اس آیت کا مفہوم محض اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے محو کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ثابت کرتا ہے، اس کو وقوع نسخ کے ثبوت میں پیش کرنا ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص اس دعوی پر کہ اللہ تعالیٰ ہر روز آسمان کو زمین بناتا ہے اور زمین کو آسمان بناتا ہے دلیل میں اس آیت کو پیش کردے اور کہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہتا ہے محو کر دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے ثابت کر دیتا ہے، لہٰذا ہر روز آسمان کو زمین، اور زمین کو آسمان بھی بناتا ہے۔ بات یہ ہے کہ بیشک اس میں کلام نہیں ہے کہ خدا جس کو چاہے محو کردے مگر کسی خاص چیز کے محو کے ثبوت کے لئے محض یہ کافی نہیں ہے، بلکہ اس کی ضرورت ہے کہ خاص اس چیز کے محو پر کوئی ثبوت پیش کیا جائے، مثلاً وقوع نسخ کے ثبوت کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ کسی ایسی آیت سے استدلال کیا جائے جس میں آیات قرآنی کے محو پر مشیت خداوندی کا متعلق ہونا معلوم ہوتا ہو۔

وَاِذْ لَیْسَ فَلَیْسَ ؛

تیسری آیتِ نسخ

تیسری "اِذَا بَدَّلْنَا اٰیَۃً مَّکَانَ اٰیَۃٍ الخ" کو مابہ النزاع نسخ کے ثبوت میں پیش کرنا اس لئے غلط ہے کہ اس میں بھی دعوی خاص اور دلیل عام کی غلطی موجود ہے، اس لئے کہ موضوع بحث نسخ لغوی نہیں ہے، بلکہ مابہ النزاع نسخ اصطلاحی ہے جس کی تعریف "ازالۃ الحکم بحیث لایجوز امتثالہ" ہے یا "رفع اصل الحکم وجملتہ بحیث یبقی بمنزلۃ مالم یشرع البتۃ" ہے یا "ابطال الحکم المستفاد من نص سابق بنص لاحق" ہے وغیرہ وغیرہ اور اس کا منشاء آیتوں کے درمیان تضاد اور تناقض حقیقی کا پایا جانا ہوتا ہے اور "تبدیل" اس سے عام ہے جو نسخ اور غیر نسخ دونوں کو شامل ہے، کیونکہ تبدیل کی ایک صورت یہ ہے کہ ایک حکم دوسرے حکم سے اس طرح بدل دیا جائے کہ پہلا حکم بالکل اٹھ جائے اور اس کی حیثیت ایسی ہو جائے کہ شرعاً اس کی مشروعیت ہی نہیں ہوئی ہے، مثلاً حدیث شریف میں ہے

کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور، الا فزوروھا۔	میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کیا تھا، اب اچھی طرح سمجھ لو کہ اب تم ان کی زیارت کرو۔

اور تبدیل کی یہ شکل بعینہ اصطلاحی نسخ ہے۔

دوسری صورت تبدیل کی یہ ہے کہ ایک حکم پہلے مبہم ہو اور پھر اس کی تفسیر کردی جائے۔ یا مطلق ہو اس کو مقید کر دیا جائے اور یا عام ہو خاص کردیا جائے، اس تبدیلی کو اصطلاحی فسخ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اس طرح کی تبدیلی اپنے تنوعات کے اعتبار سے مختلف شکل وصورت رکھتی ہے، اس طرح کی تبدیلی کا الہامی کتاب میں پایا جانا، الہامی کتاب کے منافی نہیں ہے، مثلاً سورۂ مائدہ میں ایک جگہ یہ حکم ہے

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ	مسلمانو! جب نماز کیلئے آمادہ ہو تو
اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ	اپنے منہ کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں
وَاَیْدِیَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا	سمیت دھویا کرو اور اپنے سروں
بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَی	کا مسح کرلیا کرو اور ٹخنوں تک اپنے
الْكَعْبَیْنِ (مائدہ، ع ۲ پ ۶)	پاؤں دھویا کرو۔

اس کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ نماز کیلئے وضو ضروری ہے مگر یہی حکم سورۂ مائدہ ہی میں اس کے بعد ایک خاص حالت کے ماتحت بدل جاتا ہے، اور ارشاد ہوتا ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ	اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم
اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ	میں سے کوئی قضائے حاجت کرکے
اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا	آیا ہو یا عورتوں سے مباشرت کی ہو

مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ الخ (مائدہ ع ۶ پ ۶)

اور تمکو پانی میسر نہ ہو تو پاک مٹی پر تیمم کرو (یعنی) اپنے منھ اور ہاتھوں کا مسح کرو۔

اب اگر اس تیسری آیت میں تبدیل کو دوسرے معنی تغییر احکام کے مفہوم میں (جس کی مثال سورہ مائدہ سے آپکے سامنے ہے) لیا جائے جو قرآنی احکام کے مطابق اور اسکے اصول یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا" کے موافق ہے، اور ہر طرح کے ایسے امور سے جو قرآن مجید کے منافی ہوں، پاک ہے تو اس سے نسخ کا ثبوت نہیں ہوگا، بلکہ اس سے اسی طرح کے تغیرات اور تبدیلات کا ثبوت ہوگا جو عام و خاص مطلق و مقید، مبہم و مفسر وغیرہ میں ہوتے ہیں، اور یہ الہامی کتاب کے منافی نہیں ہے اور بہت ممکن ہے کہ مشرکین اسی کو اپنی نا سمجھی کی بنا پر اختلاف حقیقی کا رتبہ دیکر" اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ" پکار اٹھے ہوں (و ما ہذا من المشرکین ببعید) ہاں اگر تبدیل کو اس معنٰی میں لیں کہ ایک حکم دوسرے حکم سے اس طرح بدل دیا جائے کہ پہلا حکم بالکلیہ اٹھ جائے اور اس کی حیثیت ایسی ہوجائے کہ اس کی مشروعیت ہی نہیں ہوئی ہو تو مابہ النزاع نسخ کا ثبوت ہوگا، مگر یہ صورت اختیار کرنی اس لئے صحیح نہیں ہو سکتی ہے کہ اس صورت میں پہلے ان دو آیتوں میں جن کو ناسخ و منسوخ ٹھہرایا جائے گا، اختلاف اور تضاد حقیقی تسلیم کرنا ہوگا اور یہ قرآن مجید کے اس نص صریح کے خلاف ہوگا

لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۔
پس قرآن مجید میں مابہ النزاع نسخ کا ماننا، دوسرے لفظوں میں اختلاف حقیقی کا ماننا ہوگا اور اختلاف حقیقی کا تسلیم کرنا اس امر کو مستلزم ہوگا کہ نعوذ باللہ قرآن مجید الہامی کتاب نہیں ہے ۔

دوسرے یہ کہ اس صورت میں دو باتوں میں سے ایک بات ماننی پڑے گی یعنی یا تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ منسوخ شدہ آیت منسوخ الحکم ہونے کے بعد قرآن مجید میں موجود ہے جس کی بے ضرورت صرف تبرکاً تلاوت کی جاتی ہے ، یا یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ قرآن مجید سے خارج کردی گئی ہے اور منسوخ الحکم ہونے کے ساتھ وہ منسوخ التلاوۃ بھی ہے ، اور یہ دونوں باتیں قرآنی آیات کے باب میں ناقابل تصور ہیں ۔

اس لئے کہ مخالفین اسلام باوجود انتہائی سعی اور تلاش کے آجتک قرآن مجید سے کوئی ایسی آیت نہیں پیش کر سکے جو منسوخ الحکم تو ہو، منسوخ التلاوۃ نہ ہو اور اس کی بے ضرورت صرف تبرکاً تلاوت کی جاتی ہو اور نہ آج تک قرآن مجید سے خارج مخالفین اسلام کوئی ایسی آیت پیش کر سکے کہ یہ منسوخ التلاوۃ آیت ہے جو پہلے قرآن میں موجود تھی اور تلاوت کی جاتی تھی یعنی ایسی کوئی آیت وہ آج تک پیش نہ کر سکے ، کہ اس آیت کا تواتر سے ثبوت ہے کہ پہلے یہ قرآن کی آیت تھی ، حالانکہ باتفاق جمیع علمائے اسلام

کسی جملہ کو قرآن کی آیت اس وقت تک کہہ نہیں سکتے جب تک اس کا ثبوت تواتر سے نہیں ہو، آج جتنی مثالیں منسوخ التلاوۃ کی پیش کی جاتی ہیں ان کے باب میں بجز خبر آحاد کے کوئی متواتر روایت نہیں ہے، اتقان میں ہے

حکی القاضی ابوبکر فی	قاضی ابوبکر نے "انتصار" میں اس قسم کے
الانتصار عن قوم انکار هذا	نسخ کا ایک جماعت سے انکار نقل کیا ہے
الضرب لان الاخبار منه	اسلئے کہ اس کے متعلق جتنی حدیثیں ہیں
اخبار احاد ولا یجوز القطع	وہ سب احاد ہیں اور صرف اخبار آحاد
علی انزال قران و نسخه	کی بنا پر قرآن مجید کے انزال اور نسخ
باخبار احاد لا حجة فیها	پر یقین کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ وہ
(ص ۲۶/۲)	اس باب میں حجت نہیں ہیں۔

بہرحال یہ آیت بھی مابہ النزاع نسخ کے ثبوت اور وقوع کیلئے مفید مدعا نہیں ہوسکتی ہے، کیوں کہ اول تو یہ نسخ سے عام ہے جس کی بنا پر دعویٰ خاص پر دلیل عام سے استدلال کرنا لازم آئے گا، جو سراسر اصول استدلال کے خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ تبدیل کو مابہ النزاع نسخ کے معنی لینا، قرآن مجید کے غیر الہامی ہونے کو مستلزم ہے، اور اس آیت کو ایسے معنی پر محمول کرنا ہے جس کے ثبوت کیلئے باعتبار واقعہ کے نہ کوئی شہادت ہے اور نہ کوئی شہادت

ہو سکتی ہے، بلکہ خاکم بدہن معترض کے لئے اس الزام کا موقعہ پیدا کرتا ہے
کہ قرآن کا یہ بیان چونکہ واقعہ کے خلاف ہے لہذا جھوٹ ہے۔

چوتھی آیت نسخ

چوتھی آیت " سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى الخ " کو وقوع نسخ کے ثبوت میں پیش کرنا امکان کے سوکھے ثمر سے فعلیت کا شیرہ نچوڑنا ہے کیونکہ اس کے معنی ہیں (اے نبی کریمؐ) ہم آپ کو پڑھائیں گے پھر آپ کبھی نہ بھولیں گے، مگر وہ چیز جس کا بھلا دینا اللہ کو منظور ہوگا۔

حاصل یہ کہ خدا جس کو بھلا دینا چاہے گا لاریب اس چیز کا نقش یقیناً لوح دل سے مٹ جائیگا، مگر کلام اس میں ہے کہ خدا کو کسی چیز کا بھلا دینا منظور ہوا یا نہیں؟ اور اس کی مشیت کسی خاص چیز کے بھلا دینے کے متعلق ہوئی یا نہیں، اگر ہوئی تو اس کا ثبوت پیش کرنا چاہیئے۔ ورنہ اس میں بھی وہی دعویٰ خاص دلیل عام کی کمزوری ہے جو مستلزم مدعا نہیں ہے، لہذا اس وقت تک وقوع نسخ کا ثبوت نہیں ہو سکتا ہے جب تک کوئی ایسی آیت پیش نہ کی جائے جس سے وقوع نسخ کی فعلیت معلوم ہو

فذلکۃ الکلام

اب ایسی صورت میں کہ قرآن مجید اس خیال کا ذکر قرآن میں آیاتِ نسخ

موجود ہیں ، حامی نہیں ہے ، اور جن آیتوں کو بہ ظاہر وقوع نسخ کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے اور ان کو مؤید سمجھا جاتا ہے وہ غلط فہمی پر مبنی ہے ، وہ شخص جو ہمیشہ اپنے ہر قول و فعل کو صبغۃ اللہ والرسول ...... میں ڈوبا ہوا دیکھنا چاہتا ہے ، ایک سکنڈ کیلئے بھی اس عقیدہ کو اپنے دل میں جگہ نہیں دے سکتا ہے کہ قرآن شریف میں ناسخ و منسوخ آیات موجود ہیں ۔

فَاِیَّاکُمْ وَالتَّجَدُّدُ !

رہی یہ خلش کہ سلف صالحین اور علمائے متقدمین نے نسخ کو تسلیم کیا ہے اور اکابر امت کی اکثریت ہمیشہ اس کو مانتی چلی آئی ہے تو اس پر سیر حاصل بحث آپ کو اگلے صفحات میں ملے گی ، یہاں اتنا سمجھ لیا جائے کہ ان کے ہاں نسخ ، ازالۃ الحکم بحیث لایجوز امتثالہ کے معنیٰ میں نہیں ہے ، کما ستعلم عن قریب :-

تخیلِ نسخ کی وجہ

قرآن مجید میں جہاں کہیں ایسی دو آیتیں پائی گئیں جن میں بظاہر جمع و تطبیق غیر ممکن معلوم ہوئی تو اس سے مخلصی کیلئے نسخ وضع کیا گیا اور یہ اصول ٹھہرایا گیا کہ جب دو آیتوں میں اس طرح کا تعارض پیدا ہو جائے کہ دونوں پر عمل کرنا غیر ممکن ہو تو ایسی صورت میں دونوں کے متعلق یہ

معلوم کرنے کی کوشش کی جاوے گی کہ ان میں کون باعتبار نزول کے متقدم اور کون متاخر ہے، اگر تاریخی حیثیت سے یہ معلوم ہوگیا تو متقدم کو منسوخ اور متاخر کو ناسخ قرار دیں گے، کیوں کہ پہلی آیت یا پہلا حکم اگر واجب الترک نہ ہوتا تو دوسری آیت یا حکم کا نزول نہ ہوتا، لیکن ایسی صورت میں کہ تقدم و تاخر کا فیصلہ ناممکن ہو تو جس پر علماء ملت کا عملاً اتفاق ہو اس کو ناسخ قرار دیا جائے گا اور عمل کی راہ نکالی جائیگی، اتقان میں ہے۔

قال الاستاذ ابو اسحق الاسفرائنی اذا تعارضت الآی وتعذر فیه الترتیب والجمع طلب التاریخ وترك المتقدم بالمتاخر ویکون ذلك نسخاً وان لم یعلم وکان الاجماع علی العمل باحد الآیتین علم باجماعهم ان الناسخ ما اجمعوا علی العمل بها (ص ۳۰ ج ۲)

استاذ ابو اسحق اسفرائنی کا ارشاد ہے کہ جب آیتیں متعارض ہوں اور ان میں ترتیب و جمع متعذر ہو تو تاریخ معلوم کی جائیگی اور بمقابلہ متاخر کے متقدم کو ترک کر دیا جائیگا اور یہ نسخ ہوگا، اور اگر تاریخ معلوم نہ ہو اور دو آیتوں میں سے کسی ایک آیت پر عملاً اجماع ہو تو ان کے اس عمل اجماع سے یہ سمجھ لیا جائے گا کہ جس کے عمل پر اجماع ہے وہ ناسخ ہے۔

حاصل یہ کہ نسخ کی بنا تعارض بین الآیتین پر ہے، جہاں کہیں بھی ایسا

تعارض ہو کہ اس میں تطبیق وجمع متعذر ہو اور اس سے مخلصی کی بجز اسکے
اور کوئی صورت نہ ہو کہ متقدم کو متروک اور متاخر کو قابل عمل ٹھیرایا جائے
تو اس کا نام نسخ ہوگا نخبۃ الفکر میں ہے

ان سلم من المعارضۃ فھو المحکم	اگر معارضہ سے سالم ہو تو وہ محکم ہے اور
وان عورض بمثلہ فان امکن	اگر اپنے مثل سے معارض ہو اور جمع
الجمع فھو مختلف الحدیث و	ممکن ہو تو اس کا نام مختلف الحدیث ہے
الا فان ثبت المتاخر بہ فھو	ورنہ (یعنی جمع ممکن نہ ہو) تو متاخر
الناسخ والاخر المنسوخ	ناسخ اور متقدم منسوخ ہوگا۔

نور الانوار میں مخلص عن المعارضۃ کی صورتوں کو بیان کرتے ہوئے نسخ کے
متعلق لکھا ہے " واذا علم التاریخ فلابد ان یکون المتاخر ناسخا
للمتقدم " جب تاریخ معلوم ہو جائے تو ضرور ہے کہ متاخر متقدم کے لئے ناسخ
ہوگا۔ الحاصل نسخ کی بنا ایسے تعارض اور تناقض بین الحکمین پر ہے کہ اس کی
تطبیق بجز اس کے اور کچھ نہ ہو سکے کہ یہ ابتدار زمانہ کے لیے حکم تھا۔ اور یہ
انتہار زمانہ کے لیے۔

اس طرح کا اختلاف صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کے بعد محض علمار
متاخرین نے بزعم خود قرآن شریف پر تسلیم کیا ہے کہ ایسی آیتیں قرآن شریف
میں ہیں کہ پہلے ایک امر کے متعلق ایک حکم نازل ہوا پھر اسی امر کے متعلق کسی

مصلحت کی وجہ سے دوسرا حکم پہلے حکم کے خلاف ایسا متناقض اور متضاد نازل ہوا جس میں نہ کسی طرح کی تطبیق ممکن ہو سکتی ہے، نہ کسی طرح ان دونوں آیتوں کو محکم مان کر اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

مگر حق یہ ہے کہ قرآن شریف میں کہیں بھی ایسی دو آیتیں نہیں ہیں جن میں اس طرح کا تضاد اور تناقض ہو اور جہاں کہیں بھی ایسا تضاد اور اختلاف سمجھا گیا ہے ہماری قلت تدبر کا قصور ہے۔

چنانچہ اگلے صفحات پر آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ ایسی بہت سی آیتوں کو جن میں علمار متقدمین نسخ کے قائل تھے، علمائے متاخرین نے تطبیق دیکر ناسخ و منسوخ کے دائرہ سے نکال دیا ہے، یہاں تک کہ جہاں سینکڑوں آیتیں منسوخ سمجھی جاتی تھیں حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے سب کو چھانٹ کر محض پانچ آیتوں میں نسخ تسلیم کیا ہے "کما سیاتی" پھر ان پانچ آیتوں کے متعلق بھی تفحص سے کام لیا گیا تو معلوم ہوا کہ اکابر متقدمین نے ان پانچ آیتوں کا محمل بھی ایسا بتا دیا ہے جس کے بعد نسخ ماننے کی کسی آیت میں بھی ضرورت نہیں رہتی، و ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء وفوق كل ذي علم عليم۔

بہرحال کم و بیش بعض علمار اس طرف گئے ہیں کہ قرآن مجید میں نسخ ہے، "اتقان" میں ہے۔

قال الصيرفي جماع الاختلاف
والتناقض ان كل كلام
صح ان يضاف بعض ما
وقع الاسم عليه الى وجه من
الوجوه فليس فيه تناقض وانما
التناقض في اللفظ ما ضاده من
كل جهة ولا يوجد في الكتاب
والسنة شئ من ذلك ابدا وانما
يوجد فيه النسخ في الزمنين (ص۲۳)

صیرفی کا قول ہے کہ اختلاف و
تناقض حقیقت یہ ہے کہ ایسا کلام جو
اپنی نسبت میں دلالت تضمنی کے اعتبار
سے بوجہ من الوجوہ صحیح ہے تو اس میں
تناقض کا ماننا غلط ہے، تناقض جب
ہی ہو سکتا ہے کہ ہر جہت سے تضاد ہو
قرآن مجید اور حدیث شریف میں ایسا
تضاد غیر ممکن ہے، ہاں اس میں نسخ
دو وقتوں کے اعتبار سے پایا جاتا ہے

وفيه ايضا:-

قال الكرماني عند قوله تعالى
وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ
لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا،
الاختلاف على وجهين
اختلاف تناقض هو ما يدعو
فيه احد الشيئين الى خلاف
الاخر وهذا هو الممتنع على

قرآن شریف کی آیت ولو کان من
عند غیر اللہ لوجدوا فیہ
اختلافا کثیرا، کے تحت علامہ کرمانی
کا قول ہے کہ اختلاف کی دو قسمیں ہیں
ایک اختلاف تناقض یعنی ایک کلام
دوسرے کلام کے بالکل خلاف مشعر ہو
اور ایسا اختلاف قرآن مجید میں ممتنع

القرآن، واختلاف تلازم	ہے، دوسرے اختلاف تلازم جس میں
وهو ما يوافق الجانبين كاختلاف	دو کلام اپنے اصل کے اعتبار سے موافق
وجوه القراءة واختلاف	ہوں جیسے قرأت کا اختلاف، سور
مقادير السور والآيات و	اور آیات کے مقادیر کا اختلاف،
اختلاف الاحكام من الناسخ	ناسخ اور منسوخ ہونے کی حیثیت سے
والمنسوخ (ص ۱/۲)	احکام کا اختلاف۔

وجوہ اختلاف

ایسی صورت میں کہ ایک طرف علمائے متقدمین کی عبارتیں اور تحریریں جو یہ بتاتی ہیں کہ وہ نسخ کے قائل ہیں اور ان کی تحقیقات کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن شریف میں تقریباً پانچ سو آیتیں بلکہ اس سے زیادہ منسوخ ہیں تو دوسری طرف علمائے متاخرین ان کو دائرۂ نسخ سے خارج سمجھتے ہوئے کم و بیش پانچ آیتوں میں نسخ تسلیم کرتے ہیں، پھر ان پانچ آیتوں میں بھی تطبیق کی تصریح ملتی ہے۔ قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علمائے متاخرین کا انکار کہاں تک قابل وقعت ہو سکتا ہے، خصوصاً جبکہ متقدمین کی تدقیقات اور تحقیقات کے پایہ کا اعلیٰ اور ارفع ہونا تسلیم شدہ مسئلہ ہے۔

یہیں پہنچکر معترضین کے منہ میں بھی زبان پیدا ہو جاتی ہے اور تبختر انہ

متانت کے پیکر ہیں یہ بول اٹھتے ہیں کہ مسلمانوں پر جوں جوں علمی اعتراضات کیے جاتے ہیں اس علمی روشنی کے دور میں اسلام کو مجبورًا چھوڑتے جاتے ہیں اور اس کے ان مسئلوں سے دست بردار ہوتے جاتے ہیں جو اعتراض کے خونخوار پنجہ میں آجاتے ہیں چنانچہ اسلام کا وہ مسئلہ جو ابتدا اسلام سے لیکر آریہ سماج کے جنم تک باتفاق جمیع علمائے اسلام تسلیم کیا جاتا تھا آج اس سے بالکل انکار کیا جاتا ہے اور قرآن مجید میں ایک آیت بھی منسوخ نہیں بتائی جاتی ہے

اور یہیں پہنچ کر ہمارے بعض ایسے محترم اور مقدس بزرگ ہیں جو اپنی نیک نیتی سے قدامت پرستی کے جذبہ میں اپنا یہ فرض سمجھتے ہیں کہ کل کے ہر رطب ویابس کی حمایت کریں چاہے وہ کسی اسرائیلی دکان ہی کی کیوں نہ ہو اور آج کی ہر لطیف ونفیس چیز سے نفرت کریں چاہے وہ ان ہی کے گھر کی چیز کیوں نہ ہو. یہ بول اٹھتے ہیں کہ بھائی ،، بعجبؔ کل ذی رای برایہ" کا زمانہ ہے اس سے اپنے کو بچاؤ. اسی طرح وہ حضرات جو عادۃً اس کے عادی ہو گئے ہیں کہ جب کبھی ایسی چیز کو جو ان کی بے اعتنائی کے صدقہ میں ان کی نگاہ سے اوجھل رہی ہو اپنے سامنے دیکھتے ہیں تو ماتم کرنے لگتے ہیں اور نہایت سوز وگداز کی لے میں پھوٹ پھوٹ کر یہ بین پڑھنے لگتے ہیں کہ اب جدید مذہب کا سنگ بنیاد روشن خیال علمار کے ہاتھوں رکھا جارہا ہے، اب آزادی مذہب کے ولولہ کے ہاتھوں اسلام کا نقشہ ہی بدلدینا چاہا ہے. ابتک فقہائے

مجتہدین و اکابر محدثین اور ماہرین کتاب و سنت کو یہ تحقیق و تطبیق نظر نہ آئی تھی جو اب ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد فاضل مؤلف کو القاء ہوا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اس کے متعلق اپنے محترم بزرگ کی خدمت میں تو باادب فقط یہ عرض ہے کہ نہ تو روشن خیال علماء کے ہاتھوں جدید مذہب کی بنیاد رکھی جا رہی ہے اور نہ اسلام کا نقشہ بدلا جا رہا ہے جو کچھ بھی نسخ کے باب میں لکھا جا رہا ہے وہ ماہرین کتاب و سنت اور سلف صالحین اور فقہائے مجتہدین کے مسلک کی ہمنوائی ہے، اور جو کچھ اس باب میں اس رسالہ میں سپرد قلم کیا گیا ہے وہ ان ہی کی تحقیق و تفتیش کی ترجمانی اور ان ہی کے مسلک و معیار کا اتباع ہے آپ یقین کیجئے، کہ ؎

جو داغہائے غم مرے دل کبھیاں کے ہیں — یہ داغہائے دوسرا آسماں کے ہیں

اور آریہ سماجی دوستوں سے سب سے پہلے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجا است — نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اس کے بعد تحقیقی جواب سے پہلے میں اپنے دوستوں کے غور و فکر کے لئے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آریہ سماج کی زبان سے تو یہ اعتراض اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے، جبکہ وہ اپنے متقدمین کے ان جملہ ذخائر علمیہ کا انکار کر چکا ہے جن پر آج تک سناتن دھرم ہندو کا دار و مدار رہا ہے اور وہ ہمیشہ اس پر عملاً مہر تصدیق ثبت کرتے رہے ہیں اور وہ آج بھی انہیں کو حق اور صحیح

سمجھتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ تاریخی حیثیت سے یہ غلط ہے کہ جملہ متقدمین نسخ کے قائل تھے، حالانکہ متقدمین میں ایسے بزرگ بھی ہیں جن کی تحقیق کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن شریف کی کل آیتیں "محکم" ہیں، جن میں نسخ کا احتمال ہی نہیں ہو سکتا ہے، زیادہ سے زیادہ بالکل ضعیف اور مرجوح طریقہ پر ان کے نزدیک ایک آیت میں نسخ کا اعتبار کیا جا سکتا ہے، اتقان میں ہے

قوله تعالى اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ قيل انه منسوخة بقوله تعالى فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وقيل لا بل هو محكم وليس فيها آية يصح فيها دعوى النسخ غير هذه الآية (ص ۲۳)

"اتقوا الله حق تقاته" کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ "فاتقوا الله ما استطعتم" سے منسوخ ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ منسوخ نہیں ہے بلکہ "محکم" ہے اور اس ایک آیت کے سوا کسی دوسری آیت میں نسخ کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔

یعنی آیت منسوخہ کو بعض صاحب منسوخ کہتے ہیں اور بعض اس کے "محکم" ہونے کے قائل ہیں اور ان کی تحقیق میں بجز اس ایک آیت کے قرآن شریف میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس میں نسخ کا دعویٰ صحیح ہو اور اس ایک میں بھی نسخ کا دعویٰ مرجوح طریقہ پر ہے۔

علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

قال ابو مسلم ابن بحر انہ لم یقع (تفسیر کبیر ص۱/۶۶۱) — ابو مسلم ابن بحر کا قول ہے کہ قرآن مجید میں نسخ نہیں ہے یعنی اس میں منسوخ آیتیں نہیں ہیں

تحقیقی جواب

(معنی نسخ علماء متاخرین کی نظر میں)

تحقیقی جواب یہ ہے کہ باستثناء بعض نہ متقدمین اور متاخرین میں اختلاف ہے اور نہ نعوذ باللہ اس دور کے علماء ہی اسلام کو چھوڑ رہے ہیں یہ سب غلط فہمی محض قلت تدبر، اور متقدمین، ومتاخرین کے اختلاف اصطلاح سے بے خبری کی بنا پر ہے۔ کیوں کہ علماء متقدمین نسخ کو اپنی اصطلاح کی بنا پر ایسے عام معنے میں استعمال کرتے تھے کہ اسکے تحت میں تقیید، تخصیص، تاویل، استثناء، بیان متبادر غیر متبادر۔ قید اتفاقی، تخصیص عامی وغیر ذالک، سب کے سب مفید نسخ ہو جاتے ہیں اور علماء متاخرین اپنی اصطلاح میں نسخ کو ایسے خاص معنی میں استعمال کرتے ہیں کہ اس معنی کی بنا پر یہ امور مفید نسخ نہیں ہو سکتے ہیں

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رح "الفوز الکبیر" میں لکھتے ہیں

آنچہ از استقراء کلام صحابہ و تابعین — صحابہ کرام اور تابعین کے کلام کے

معلوم می شود و آن است کہ ایشاں نسخ را استعمال می کردند بازار معنی لغوی کہ " ازالہ چیزے است بچیزے " نہ بازار اصطلاح اصولیاں، پس معنی نسخ ایشاں ازالہ اوصاف آیتے است بہ آیت دیگر، خواہ انتہا مدت عمل باشد یا صرف کلام از معنی متبادر بغیر متبادر یا بیان اتفاقی بودن قیدے، یا تخصیص عامی، یا بیان فارق درمیان منصوص، و آنچہ مقیس براں است ظاہر را، یا ازالہ عادت جاہلیت یا شریعت سابقہ، باب نسخ نزدیک ایشاں باب واسع آمد و عقل را دراں جولانی شد و اختلاف را دراں گنجائش الخ

استقراء سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ نسخ کو لغوی معنی یعنی ازالہ چیزے بچیزے کے معنی میں استعمال کرتے تھے، اصولیوں کے اصطلاحی معنی میں استعمال نہیں کرتے تھے، ان کے ہاں (یعنی صحابہ اور تابعین کے یہاں) نسخ کے معنی ایک آیت کے وصف کا دوسری آیت سے ازالہ کرنا ہے، چاہے وہ باعتبار حقیقت کے عمل کی مدت کی انتہا ہو، یا کلام کو معنی متبادر سے غیر متبادر کی طرف پھیرنا ہو یا کسی اتفاقی قید کا بیان ہو یا عام کی تخصیص ہو یا منصوص اور مقیس کے درمیان بیان فارق ہو، یا عادت جاہلیت یا شریعت سابقہ کا ازالہ ہو بہرحال باب نسخ انکے نزدیک ایک وسیع باب ہے جس میں عقل کو جولانی کا موقع ملا، اور اختلاف کیلئے گنجائش نکلی۔

محدث کشمیریؒ

اسی طرح العرف الشذی میں ہے۔

واعلم ان النسخ عند المتقدمین یطلق علی تخصیص العام او تقیید المطلق او تفسیر المجمل ایضا ونسخ المتاخرین ماھو مذکور فی کتب الاصول والنسخ عند ابی جعفر الطحاوی ثبوت امر بعد ما نعلم غیرہ وان کان الامران باقیین علی الحال محکمین والاکثر عنہ غافلون۔

متقدمین کے ہاں، عام کی تخصیص مطلق کی تقیید اور مجمل کی تفسیر، پر بھی نسخ کا اطلاق کیا جاتا ہے اور متاخرین کے ہاں نسخ کے معنی وہ ہیں جو اصول کی کتابوں میں مذکور ہیں، امام طحاوی کے نزدیک نسخ ہے کسی امر کے ثبوت کا اس کے بعد کہ ہم (اسکے پہلے) اس کے سوا کچھ اور جانتے ہوں، اگرچہ دونوں امر علی حالہ باقی ہوں اور محکم ہوں اور اکثر لوگ اس سے غافل ہیں۔

حافظ ابن القیمؒ

اسی طرح علامہ ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں لکھا ہے:-

الذی یسمیہ السلف نسخا وھو رفع الظاھر بتخصیص

سلف جس کا نام نسخ رکھتے ہیں وہ ظاہر مفہوم کا رفع کرنا ہے چاہے یہ تخصیص سے

او تقييد او شرط او مانع	ہو یا تقیید سے ہو یا شرط سے ہو، یا
فهذا كثير في السلف يسميه	مانع سے ہو، سلف کی اکثریت اسی
نسخاً حتى سمى الاستثناء	کو نسخ کہتی ہے یہاں تک کہ استثناء
نسخا، فان اردتم هذا	کا نام بھی نسخ رکھا ہے، پس اگر نسخ سے
المعنى فلا مشاحة في	تم یہ معنی مراد لیتے ہو تو پھر اس اصطلاح
الاسم الخ (صفحہ ۲۹/۲)	میں کوئی جھگڑا یا مناقشہ نہیں ہے۔

پھر اسی طرح دوسری جگہ بھی سلف کے نسخ کے متعلق لکھا ہے:-

ورفع دلالة العام والمطلق	تخصیص، تقیید یا مقید پر مطلق کے
والظاهر وغيرها تارة	حمل کے ذریعہ اور تفسیر اور تبیین کے
اما بتخصيص او تقييد	ذریعہ، ظاہر، مطلق، عام وغیرہ کے
او حمل مطلق على مقيد	مدلول کو رفع کرنا بھی سلف کے ہاں
وتفسيره وتبيينه حتى	نسخ ہے حتی کہ یہ لوگ استثناء کو بھی
انهم يسمون الاستثناء والشرط	نسخ کہتے ہیں، اور شرط اور وصف کو
والوصف نسخا لتضمن ذلك	بھی نسخ کہتے ہیں، کیوں کہ یہ سب
ورفع دلالة الظاهر وبيان	بھی ظاہر مفہوم کی دلالت کے رفع پر
المراد فالنسخ عندهم وفي	متضمن ہیں، پس سلف کی زبان اور
لسانهم هو بيان المراد بغير	ان کی اصطلاح میں کسی لفظ کی مراد

ذلك اللفظ بل بلفظ خارج عنه ومن	اس لفظ سے الگ ہو کر یا کسی خارجی
تامل كلامهم رأى فيه ما لا يحصى	امر سے بیان کرنے کا نام نسخ ہے
وزال عنه به اشكالات اوجبها	اور جو شخص سلف کے کلام میں تامل
حمل كلامهم على الاصطلاح	اور غور سے کام لے گا تو اس طرح
الحادث المتأخر	کی بات ان کے کلام میں بے شمار
(ص ۳۵/۱)	اور ان گنت پائیگا۔

علامہ خضری رح

اسی طرح علماء متاخرین میں اختلاف اصطلاح نسخ کے متعلق "تاریخ التشریع الاسلامی" میں علامہ محمد الخضری وکیل مدرسۃ القضاء الشرعی والمفتش لوزارۃ المعارف نے لکھا ہے۔

النسخ فى اصطلاح الفقهاء	فقہاء کی اصطلاح میں نسخ کا اطلاق
يطلق على معنيين، الاول	دو معنی پر ہوتا ہے، اول معنی یہ کہ نص
ابطال الحكم المستفاد من نص	سابق سے جو حکم مستفاد ہو اس کو نص
سابق بنص لاحق ومثاله ما	لاحق سے باطل کر دینا اس کی مثال وہ
ورد فى حديث كنت نهيتكم	حکم ہے جو حدیث میں ہے کہ "میں نے
عن زيارة القبور، الا	تم کو زیارت قبور سے منع کیا تھا، اچھی
فزوروها، فالنص	طرح سمجھ لو، اب تم ان کی زیارت کرو

الاول یطلب الکف عن الزیارۃ	پس نص سابق زیارت قبور سے روکتی
والنص الثانی یرفع ذلک	ہے اور نص لاحق اس نہی کو باطل کر دیتی
النہی و یحل محلہا الاباحۃ	ہے اور اس کی جگہ پر اباحت زیارت قبور
او الطلب والثانی رفع	گویا حکم زیارت قبور کو قائم مقام کر دیتی
عموم نص سابق ، او	ہے ، دوسرے معنی نسخ کے نص سابق
تقیید مطلقہ ۔	کے عموم کو اٹھانا یا مطلق کو مقید کرنا ہے

اس کے بعد آگے چل کر لکھا ہے ۔

ھذا النوع الثانی	نسخ کی یہ دوسری قسم (یعنی نص کو دوسری
موجود فی القرآن بدون	نص سے نہیں اٹھانا ، بلکہ نص کے عموم وغیرہ کو
نزاع ۔	اٹھانا) بلا اختلاف قرآن میں موجود ہے

پھر اسکے بعد لکھا ہے :-

اما النوع الاول وھو وجود	نسخ کی پہلی قسم یعنی قرآن مجید میں
نص فی القرآن دالطل	ایسی آیت کا پایا جانا جس کا حکم
حکمہ او بتحسین العبارۃ	بالکل باطل کر دیا گیا ہو یا اس سے
انتہی امد حکمہ ولم	زیادہ موزوں عبارت میں اسکے حکم
یعد بقاءہ ، الا	کی مدت ختم ہو گئی ہو اور وہ صرف تلاوت
بصفۃ انہ ذکر یتلی	کے لئے (تبرکاً) باقی ہو ۔ تو یہ محل

فهو في محل النظر بحث ونظر ہے (یعنی نسخ کی یہ پہلی قسم قرآن میں نہیں ہے) (ص ۶۱)

پس متقدمین اور متاخرین میں نسخ کے باب میں اختلاف انکار کا دارومدار جو بظاہر کھٹکتا ہوا معلوم ہوتا ہے، اختلاف اصطلاح پر مبنی ہے، نہ کہ واقعی اور حقیقی طور پر متقدمین اور متاخرین میں اختلاف آراء ہے، جس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہو کہ اس دور کے علماء پر جوں جوں عملی اعتراضات کیے جاتے ہیں اسلام کو خیرباد کہہ رہے ہیں اور ان اعتراضات سے مخلصی کے لئے اس کے متفقہ مسائل سے دامن کش ہو رہے ہیں۔

ایک حق بات

بعنوان إِنَّ اللهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ میں ذہنی الجھن کے ازالہ کے لئے یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ بعض علماء سے باب نسخ میں قطع نظر کمو بیت نسخ کے، آیات قرآنی کے اندر تعیین نسخ میں تسامح بھی ہوا ہے جو متقدمین و متاخرین دونوں کے مسلک کے منافی ہے اور یہ لوازم بشریت کے لحاظ سے نہ مستبعد ہیں اور نہ ان کا ذمہ دار اسلام ہے اور نہ ان جمہور متقدمین پر جو نسخ کو لغوی معنی میں استعمال کرتے ہیں کسی شخصی خیال سے جو نسخ کو بمعنی تضاد حقیقی استعمال کرتے ہیں اور کلام الٰہی میں اسکے وقوع کے قائل ہیں کوئی

الزام وارد ہو سکتا ہے اور نہ کسی شخصی خیال کی بنا پر جمہور متقدمین و متاخرین کے خلاف آراء بتایا جا سکتا ہے اور نہ ان کی غلطیوں کو جمہور متقدمین کے سر تھوپنا صحیح ہو سکتا ہے۔

مثلاً باوجود تسلیم اس اصول کے کہ "خبر میں نسخ نہیں ہوتا ہے" بعض ان آیتوں کو منسوخ بتانا جو دراصل خبر ہیں، اتقان میں ہے

لا یقع النسخ الا فی الامر والنهی و لو بلفظ الخبر، اما الخبر الذی لیس بمعنی الطلب لا یدخله النسخ ومنه الوعد والوعید واذا عرفت ذلک عرفت فساد صنع من ادخل فی کتب النسخ کثیرا من آیات الاخبار والوعد والوعید (ص ۲۱/۲)	نسخ کا انحصار امر و نہی پر ہے چاہے وہ امر بصیغۂ خبر ہی کیوں نہ ہو اس کے علاوہ ایسے خبری جملے جن میں طلب کے معنی ہوں انمیں نسخ نہیں ہو سکتا ہے اور ان ہی جملہ خبریہ کے حکم میں وہ جنمیں نسخ نہیں ہو سکتا ہے، وعدہ وعید کی آیتیں بھی ہیں اور جب تمہیں یہ حقیقت معلوم ہو گئی تو انکی غلطیوں کی حقیقت بھی تم پر منکشف ہو گئی جنہوں نے بکثرت ایسی آیتوں کو جو اخبار اور وعدہ و وعید سے متعلق رکھتی ہیں انکو منسوخ آیتوں میں داخل کر دیا ہے۔

مثلاً علامہ ابن حزم نے اپنی کتاب "معرفۃ الناسخ والمنسوخ" میں ایک جگہ تو اس کا اعتراف کیا ہے۔

والنسخ انما یقع فی الامر	نسخ کا انحصار امر و نہی میں ہے اور یہ
والنھی ولا یجوز ان یقع	جائز نہیں ہے کہ ایسے جملے میں نسخ ہو
فی الاخبار۔	جو محض جملہ خبریہ ہوں۔

مگر دوسری جگہ بہتیری خبری آیتوں کو خود منسوخ بتاتے ہیں، مثلاً کتاب مذکور میں ایک جگہ لکھتے ہیں

الآیۃ الثانیۃ قولہ تعالیٰ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ	دوسری آیت "قولوا للناس" الخ منسوخ
منسوخۃ وناسخہا آیۃ السیف	ہے اور اس کا ناسخ آیت سیف ہے

حالانکہ یہ خبری آیت ہے، اگرچہ صورت خبر کی نہیں ہے، علامہ جلال الدین سیوطیؒ اسکے متعلق اتقان میں لکھتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ فی البقرۃ وقولوا للناس	سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کے قول "قولوا
حسنا عدہ بعضھم من المنسوخ	للناس حسنًا" کو بعض اصحاب نے آیت سیف
بآیۃ السیف وغلطہ ابن الحصار	سے منسوخ سمجھا ہے لیکن ابن الحصار نے
بان الآیۃ حکایۃ عما اخذہ	اس کو غلط ٹھیرایا ہے اس لئے کہ یہ
علی بنی اسرائیل من المیثاق ع	آیت حکایت ہے اس میثاق کی جو خدا

ع میثاق کی پوری آیت یوں ہے وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْکُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ (بقرہ، ع ۱۰، پ ۱)

فهی خبر فلا نسخ فیہ۔ (ص ۲۲/۲)

نے بنی اسرائیل سے لیا تھا، لہذا یہ آیت چونکہ خبر ہے، اس میں نسخ ممکن نہیں ہے۔

انصاف تو یہ ہے کہ محض متاخرین ہی کا یہ الزام متقدمین پر نہیں ہے، بلکہ خود متقدمین بھی ان اصحاب سے نالاں تھے جو خواہ مخواہ کی زبردستی سے بلاضرورت ایک آیت کو دوسری کیلئے ناسخ ٹھہراتے تھے اور بیجا طور پر کتاب کے ضخیم ہونے کی ناجائز کوشش کرتے تھے، اتقان میں ہے

ان الذی اورده المکثرون اقسام قسم لیس من النسخ فی شیٔ، ولا من التخصیص ولا له بهما علاقة بوجه من الوجوه وذلك مثل قوله تعالی ومما رزقنهم ینفقون وانفقوا مما رزقنكم ونحو ذلك قالوا انه منسوخ بایة الزكوة ولیس كذلك بل هو باق (ص ۲۲/۲)

ان آیات کی جن کو حضرات مکثرین نسخ کے سلسلے میں بیان کرتے ہیں چند قسمیں ہیں، بعض قسمیں ایسی ہیں جن میں نہ تو نسخ کا امکان ہے نہ تخصیص کا، بلکہ ان دونوں چیزوں سے اسکو کسی طرح کا تعلق نہیں ہے اور یہ مثلاً وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اور اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ اور اسی طرح کی اور آیتیں ہیں، جنکے متعلق، ان کا قول ہے کہ یہ آیت مذکورہ سے منسوخ ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ انکا حکم باقی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ علمائے متقدمین میں جو نسخ کے قائل ہیں نسخ کو محض لغوی معنی میں استعمال کرتے تھے، وہ نسخ کو بہ معنی متاخرین (جو تضاد اور تناقض پر مبنی ہوتا ہے) استعمال نہیں کرتے تھے، کیوں کہ قرآن اس طرح کے اختلاف سے پاک ہے اور یہ انکار اس زمانہ کی بدعت نہیں ہے بلکہ متقدمین بھی اس طرح کے تضاد کے منکر تھے، اتقان میں ہے:-

الاختلاف علی وجہین اختلاف تناقض وھو ما یدعو احد الشیئین الی خلاف الآخر وھو الممتنع علی القرآن الخ (ص ۳۱/۲)	اختلاف کی دو قسمیں ہیں ایک اختلاف تناقض یعنی ایک کلام دوسرے کلام کے بالکل خلاف شعر ہو اور ایسا اختلاف قرآن مجید میں ممتنع ہے۔

بناءً علیہ جہاں کہیں بھی علمائے متقدمین یا متاخرین کے اقوال باب نسخ میں پائے جائینگے یا تو وہ خاص اصطلاح پر مبنی ہونگے جو مورد اعتراض نہیں ہو سکتے یا اس کی بنیاد قلت تدبر اور غلط تدبر ہو گی کہ محتمل نسخ نہ ہوتے ہوئے بھی بے اعتنائی کے صدقہ میں نسخ پر حمل کئے گئے ہوں گے اور تناقض و تخالف کے باطل شکنجہ میں جکڑے گئے ہوں گے۔

عود الی المقصود

بہر حال مختصر یہ کہ صدر کے استشہاد سے یہ اچھی طرح واضح ہو گیا

کہ متقدمین و متاخرین کے اختلاف نسخ کیلئے کیا اسباب ہیں اور ان کے اعتراف وانکار کیلئے کیا وجوہ ہیں، پس وہ اصحاب جو بزعم باطل یہ سمجھ رہے ہیں کہ علمائے متاخرین نے نسخ کا انکار اس وزنی اعتراض سے تخلص کیلئے کیا ہے جو قائلین نسخ پر ہوتا ہے، یاد رکھیں کہ ان کا یہ تخیل واقعیت سے کوسوں دور ہے، اور ان کی جہالت پر مبنی ہے، بلکہ علمائے متاخرین کا انکار محض اس وجہ سے ہے کہ نفس الامر میں قرآن مجید میں متاخرین کی اصطلاح پر ناسخ و منسوخ کی آیتیں نہیں پائی جاتی ہیں، بلکہ ان کی اصطلاح پر قرآن مجید میں نسخ ماننا خود قرآن کے خلاف ہے، اس لئے کہ نسخ کی بنیاد ان کے نزدیک اختلاف، تعارض، اور تضاد حقیقی پر ہے اور بشہادت قرآن یہ علامت انسانی کتاب کی ہے کیونکہ قرآن نے یہ اصول بتایا ہے کہ جس کتاب میں تم اختلاف پاؤ اس کو سمجھو کہ یہ خدا کی کتاب نہیں ہے چنانچہ اسی اصول پر قرآن مجید میں یہ اعلان ہے کہ "لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا" اگر قرآن غیر الہامی کتاب ہوتا تو یقیناً لوگ اس میں اختلاف کثیر پاتے۔

ہاں وہ نسخ جس کے متقدمین قائل ہیں اور جو ان کی خاص اصطلاح پر مبنی ہے چونکہ تخالف اور تضاد حقیقی پر اس کی بنیاد نہیں ہے، متاخرین بھی اس سے انکاری نہیں ہیں اور نہ وہ نسخ عیب ہے، نہ الہامی کتاب کے منافی ہے اور نہ اس پر کوئی اعتراض وارد ہو سکتا ہے اور جو کچھ بے مائیگی کا اعتراض کیا

بھی جاتا ہے اس کی حقیقت اگلے صفحات پر معلوم ہو جائے گی کہ وہ سراسر اَوۡہَنُ مِنۡ بَیۡتِ الۡعَنۡکَبُوۡتِ ہے۔

پس ذیل میں ہم پہلے نسخ کے معنی بیان کریں گے اس کے بعد یہ لکھ کر کہ کس نوع کی آیتوں میں نسخ کا ہونا ممکن ہے اور کس میں نہیں، پھر مجملاً اس دھینگا مشتی اور زبردستی کا منظر بھی ناظرین کے سامنے پیش کردیں گے جو آیتوں کے ناسخ و منسوخ ٹھہرانے میں اولوالعزم مکثرین نے اختیار کیا ہے اور پھر اس کے بعد ان آیتوں کو مع تطبیق و جمع کے ناظرین کی خدمت میں عرض کردیں گے، جس کی تطبیق ہمارے بعض محترم بزرگ غیر ممکن سمجھتے ہیں۔ وما ہذا علی اللہ بعزیز۔

نسخ کے معنیٰ

لفظ نسخ کا استعمال چند معنوں میں ہوتا ہے، مثلاً ازالہ، تبدیل، تحویل، نقل، اتقان میں ہے:-

یرد النسخ بمعنی الازالة	نسخ کے معنی ازالہ کے ہیں اور اسی معنی
ومنہ قولہ تعٰ فینسخ اللہ ما	میں ہے فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ہے
یلقی الشیطان ثم یحکم بآیاتہ	اور تبدیل کے ہیں اور اسی معنی میں اذا
وبمعنی التبدیل ومنہ اذا	بدلنا آیۃ مکان آیۃ ہے اور تحویل کے
بدلنا آیة وبمعنی التحویل	ہیں اور اسی معنی میں تناسخ میراث کا

كتناسخ المواريث بمعنى
تحويل الميراث من واحد
الى واحد وبمعنى النقل
من موضع الى موضع ومنه
نسخت الكتاب اذا
نقلت فيه حاكيا
للفظه (ص۲)

کا لفظ ہے جو ایک شخص سے دوسرے
شخص کی طرف میراث کو لے جانیکے
معنی میں ہے اور نقل من موضع الے
موضع کے ہیں اور اس معنی میں نسخت
الکتاب کا محاورہ ہے جو اس وقت
استعمال کیا جاتا ہے جب کتاب کے لفظ کو
باعتبار حکایت کے تم نقل کرو۔

معرفۃ الناسخ والمنسوخ لابی عبد اللہ محمد بن حزم رحمۃ اللہ علیہ میں ہے

ان النسخ فی اللغۃ موضوع
بازاء معنیین احدھما
الزوال علی جھۃ الانعدام
والثانی علی جھۃ الانتقال
اما النسخ بمعنی الازالۃ فھو
ایضا علی نسخ الی بدل
نحو قولھم نسخ الشیب الشباب
نسخت الشمس الظل ای اذھبتہ
وحلت محلہ ونسخ الی غیر

لغت میں نسخ کے دو معنی ہیں، ایک
زوال بالکلیہ (جو عدم کو مستلزم ہو)
دوسرے زوال بطریق انتقال، نسخ بمعنے
ازالہ بالکلیہ کی دو صورتیں ہیں یا اسطرح
پر نسخ کہ اس کا کوئی قائم مقام ہو مثلاً
نسخ الشیب الشباب، بڑھاپے نے جوانی
کا ازالہ کر دیا، نسخت الشمس الظل، دھوپ
نے سایہ کا ازالہ کر دیا اور اسکی جگہ پر چھا گئی
یا اس طرح پر نسخ کہ اس کا کوئی بدل نہ

بدل در فع الحكم وابطاله من غير ان يقيم له بدلا يقال نسخت الريح الديار اى ابطلتها وازالتها واما النسخ بمعنى النقل فهو من قولك نسخت الكتاب اذا نقلت ما فيه وليس المراد به اعدام ما فيه۔

ہوا در حکم کا اس طرح اٹھا دینا کہ کوئی دوسرا حکم اس کی جگہ اعتبار نہ کیا گیا ہو مثلاً نسخت الریح الدیار، ہوا نے گھر کے آثار کو مٹا دیا۔ رہا نسخ بمعنے نقل تو اس محاورہ میں نسخت الکتاب مستعمل ہے جو اس وقت بولا جاتا ہے جب کتاب سے کوئی چیز تم نقل کرتے ہو اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ کتاب سے کوئی چیز معدوم کردی گئی۔

رہے وہ اصحاب جو قرآن مجید میں نسخ کے قائل ہیں وہ اس سے کیا مراد لیتے ہیں، میں ان لوگوں کے خیالات کو بھی قلم بند کردیتا ہوں، علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں:۔

اما حده فمنهم من قال انه بيان انتهاء مدة العبادة وقيل انقضاء العبادة التي ظاهر الدوام وقال بعضهم

نسخ کی تعریف بعض لوگوں نے یہ کی ہے کہ عبادت کی انتہائی مدت کے بیان کا نام ہے، یہ تعریف بھی کی گئی ہے کہ وہ عبادت جو بظاہر دائمی شکل رکھتی تھی اس کا تمام ہو جانا، بعض صاحب نے

انه رفع الحكم بعد اثباته (معرفة الناسخ والمنسوخ)

یہ فرمایا ہے کہ نسخ ایک حکم ثابت کرنے کے بعد اٹھا دینے کا نام ہے۔

"منار" میں ہے:-

هو بيان مدة الحكم المطلق الذى كان معلوما عند الله الا انه اطلقه فصار ظاهره البقاء فى حق البشر۔

نسخ بیان ہے مطلق حکم کی اس مدت کا جو خدا کے علم میں پہلے ہی سے تھی لیکن ظاہری اطلاق کی وجہ سے انسان کے نزدیک وہ حکم ابدیت کی شکل میں تھا۔

علاوہ اس کے الفوز الکبیر کی عبارت گذر چکی ہے کہ متقدمین نسخ کو محض ازالۂ چیزے بچیزے کے معنی میں استعمال کرتے تھے جس کی بنا پر عموم و خصوص، مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ، مطلق اور مقید وغیرہ سب داخل نسخ ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن حزم کے قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں

ويسمى بعضهم الاستثناء والتخصيص نسخا والفقهاء على خلاف ذلك۔

بعض لوگوں نے استثناء اور تخصیص کا نام بھی نسخ رکھا ہے لیکن فقہاء اس اصطلاح کے ساتھ نہیں ہیں۔

نور الانوار میں ہے:-

والنسخ وصف فى الحكم

نسخ حکم کے اندر وصف ہے اسطرح

بان ینسخ عمومہ او اطلاقہ ویبقی اصلہ۔

یہ کہ اصل حکم باقی رہے اور اس کا عموم اور اطلاق منسوخ ہوجائے۔

علاوہ بریں منسوخ آیتوں کے استقراء سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے، معرفۃ الناسخ والمنسوخ میں ہے:۔

اولها البقرة "وقولوا للناس حسنا" نسخ عمومها، لنا اعمالنا۔

قُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا کے عموم کو لَنَا اَعْمَالُنَا نے منسوخ کردیا۔

پھر دوسری جگہ ہے:۔

الاية الثانية قوله تعالى ان الذين يكتمون ما انزلنا من البينات والهدى الاية نسخها الله تعالى بالاستثناء فقال الا الذين تابوا واصلحوا وبينوا۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ الخ کو اللہ تعالیٰ نے إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا کے استثناء سے منسوخ فرمادیا ہے:۔

حالانکہ گذشتہ مباحث میں واضح طریق پر یہ معلوم ہوچکا ہے کہ عموم وخصوص، مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ وغیرہ کو نسخ سے کوئی تعلق نہیں ہے، حاصل یہ کہ نسخ زیادہ تر معنی لغوی کے اعتبار سے جولانگاہ بحث رہا ہے، مگر جوں جوں زمانہ گذرتا گیا، اس میں تخصیص بھی ہوتی گئی، یہاں تک کہ آج متاخرین کے یہاں نسخ کے معنی یہ ہیں کہ حکم کا اس طرح ازالہ کردیا جائے کہ پھر اس کا امتثال جائز نہ ہو، اتقان میں ہے

انما النسخ ازالة للحکم حتی لا یجوز امتثاله (ص ۳۱/۲)
نسخ ازالہ حکم ہے جس کا پھر امتثال جائز نہ ہو۔

لہذا ان کے نزدیک قید مطلق کیلئے، تخصیص عام کیلئے، بیان مجمل کیلئے ناسخ نہیں ہیں۔

اسی طرح ازالۂ عادت جاہلیت، یا رفع شریعت سابقہ کا نام نسخ رکھنا متاخرین کی اصطلاح پر غلط ہے، کیوں کہ جب قرآن مجید میں ان کا تذکرہ ہی نہیں ہے تو پھر ان کے اوصاف کے ازالہ بآیت دیگر کے کوئی معنی ہی نہیں ہوسکتے ہیں جس کی بنا پر نسخ کی تعریف صادق آئے۔

ایک ضروری تنبیہ

یہ واضح ہوجانے کے بعد کہ جو نسخ قرآن مجید کے منافی ہے اور قرآن مجید کی آیتوں میں جس نسخ کا انکار کیا جاتا ہے وہ نسخ بمعنی خاص یعنی ازالۃ للحکم بحیث لا یجوز امتثالہ ہے، نہ کہ نسخ بمعنی عام اور بمعنی لغوی کیوں کہ یہ قرآن کے منافی ہے نہ اس کا کسی کو انکار ہے بلکہ اس معنی میں تو علماء کرام حدیث کو بھی قرآن مجید کا ناسخ قرار دیتے ہیں اور کتابوں میں جہاں یہ مذکور ہے کہ "ھذہ الآیۃ منسوخۃ بالسنۃ" وہاں نسخ سے مراد یہی نسخ بمعنی عام ہے، نسخ بمعنی خاص متاخرین نہیں ہے، چنانچہ علامہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے

"اعلام الموقعین" میں لکھا ہے۔

الذي يسميه السلف نسخا	سلف جس کا نام نسخ رکھتے ہیں وہ
هو رفع الظاهر بتخصيص	ظاہر مفہوم کا رفع کرنا ہے، چاہے یہ
او تقييد او شرط او	تخصیص سے ہو یا تقیید سے ہو یا شرط
مانع فهذا كثير من	سے ہو یا مانع سے ہو، سلف کی اکثریت
السلف يسميه نسخا حتى	اسی کو نسخ کہتی ہے یہاں تک کہ استثناء
سمى الاستثناء نسخا فان	کا نام بھی نسخ رکھا ہے، پس اگر نسخ سے
اردتم هذا المعنى فلا مشاحة	تم یہ معنی مراد لیتے ہو تو اصطلاح میں
في الاسم ولكن ذلك	کوئی مناقشہ نہیں ہے، لیکن اس معنی
لا يسوغ رد السنن الناسخة	کے لحاظ سے قرآن مجید کیلئے سنت کے
للقرآن بهذا المعنى ولا	ناسخ ہونے کا رد جائز نہ ہوگا اور کوئی شخص
ينكر احد نسخ القرآن	اس معنی کے لحاظ سے سنت کے ذریعہ
بالسنة بهذا المعنى	قرآن کے نسخ کا منکر نہیں ہے، بلکہ یہ اہل
بل هو متفق عليه بين	علم کی جماعت میں متفق علیہ مسئلہ ہے،
الناس وانما تنازعوا	سنت کے ذریعہ قرآن مجید کے نسخ کے
في جواز نسخه بالسنة	جواز میں جو اہل علم کا باہم نزاع ہے وہ
النسخ الخاص الذي هو	اس نسخ خاص کے لحاظ سے ہے جس

رفع اصل الحکم وحملتہ بحیث یبقی بمنزلۃ مالم یشرع البتۃ (صفحہ ۲۹۷/۲.)	کی تعریف " رفع اصل الحکم وحملتہ بحیث یبقی بمنزلۃ مالم یشرع البتۃ " ہے۔

کس نوع کی آیتوں میں نسخ ممکن ہے

نسخ کے معنی متعین ہوجانے کے بعد کہ " ازالۃ للحکم بحیث لایجوز امتثالہ " کا نام ہے یہ بات اول نظر میں سامنے آتی ہے کہ نسخ کا تعلق ان آیتوں سے نہیں ہوگا جن میں حکم نہیں ہوگا، بلکہ نسخ کا تعلق محض ان آیات سے ہوگا جن کے اندر حکم کے معنی پائے جاتے ہوں یا بصیغہ امر و نہی ہوں جو لفظاً حکم کے لئے موضوع ہیں، لیکن حکم کے بھی چند اقسام ہیں اسلئے یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ہر حکم میں محل نسخ ہونے کی صلاحیت ہے، کیونکہ حکم عقلی مثلاً " ایمان باللہ "، " ایمان بالتوحید " کا نسخ عقلاً ممتنع ہے، ہاں وہ حکم عملی جو " حسن لذاتہ " اور " قبیح لذاتہ " نہ ہوں وہ مورد نسخ ہوسکتے ہیں بشرطیکہ وہ حکم ابدی یا وقتی نہ ہوں اس لئے کہ وہ حکم جو ایک خاص وقت اور زمانہ کے ساتھ محدود ہوگا، اگر اس کے بعد اس کے خلاف حکم کیا جائیگا تو اس کو اس حکم کا ازالہ نہیں کہا جائیگا، کیوں کہ ازالہ کیلئے پہلے ثبوت چاہیئے اور موقت حکم اپنے مقررہ وقت پر بغیر کسی جدید حکم کے خود ہی عمل کے دائرہ سے نکل جاتا ہے نہ کہ اس نئے حکم کی وجہ سے وہ آئندہ کیلئے ناقابل عمل

ٹھہرتا ہے جس سے اس کا ازالہ لازم آئے، اسی طرح ابدی حکم کو بھی قابل نسخ نہیں کہا جاسکتا ہے، کیونکہ تابید اور تنسیخ دو منافی شے ہیں جو محل واحد میں یعنی ایک آیت میں جمع نہیں ہوسکتی ہیں، ان تصریحات کے متعلق بہ نظر اختصار ذیل میں ہم چند حوالوں پر اکتفا کریں گے، نورالانوار میں ہے:-

ومحلہ حکم یحتمل الوجود والعدم فی نفسہ بان یکون امرا ممکنا عملیا ولا یکون واجبا لذاتہ کالایمان ولا ممتنعا لذاتہ کالکفر۔	نسخ کا محل ایسا حکم ہوتا ہے جو بحیثیت ممکن العمل ہونیکے فی نفسہ عدم اور وجود کا متحمل ہو، نہ ایمان کی طرح واجب لذاتہ ہو، نہ کفر کی طرح ممتنع لذاتہ ہو۔

مطلب کہ نسخ اس امر ممکن عمل میں ہوسکتا ہے جو واجب لذاتہ اور ممتنع لذاتہ نہ ہو، کیوں کہ واجب لذاتہ "حسن لذاتہ" ہوتا ہے اور "ممتنع لذاتہ" "قبیح لذاتہ" ہوتا ہے اور وہ عمل جو حسن لذاتہ ہوگا عقلاً اس کا ترک اور ازالہ ناجائز ہوگا، اسی طرح وہ امر جو قبیح لذاتہ ہوگا عقلاً اسکا اختیار کرنا اور قابل عمل ٹھیرانا روا نہیں ہوگا۔ اور یہی منشا اس عبارت کا بھی ہے جہاں بغیر کسی تفصیل کے محض یہ مذکور ہے کہ فقط امر ونہی میں نسخ ہوتا ہے، اخبار میں نہیں ہوتا، "معرفۃ الناسخ والمنسوخ" میں ہے:-

والنسخ انما یقع فی الامر والنہی	نسخ فقط امر ونہی میں واقع ہوتا ہے، وہ

ولا یجوز ان یقع فی الاخبار المحضۃ و الاستثناء لیس بنسخ۔

جملہ جو محض خبر ہو اس میں نسخ جائز نہیں ہے اور استثناء میں بھی نسخ نہیں ہے۔

اسی طرح اتقان میں ہے:۔

لا یقع النسخ الا فی الامر و النھی و لو بلفظ الخبر۔ اما الخبر الذی لیس بمعنی الطلب فلا یدخلہ النسخ

نسخ محض امر و نہی میں واقع ہوتا ہے اگرچہ وہ امر و نہی صورتاً خبر ہو لیکن وہ جملہ خبریہ جو طلب کے معنی میں نہ ہو اس میں نسخ نہیں ہو سکتا ہے۔

موقت اور ابدی حکم کے متعلق "منار" میں یہ تصریح ہے:۔

و لم یلحق بہ ما ینافی النسخ من توقیت او تابید۔

اس کے ساتھ منافی نسخ توقیت اور تابید کی طرح کوئی چیز نہ پائی جاتی ہو۔

اتقان میں ہے:۔

وکذا قولہ تعالیٰ الیس اللہ باحکم الحاکمین" قیل انہا مما نسخ بآیات السیف ولیس کذلک لانہ تعالیٰ احکم الحاکمین ابدا

"الیس اللہ باحکم الحاکمین" کو آیت سیف سے منسوخ ٹھہرایا گیا ہے حالانکہ یہ ممکن نہیں ہے، کیونکہ احکم الحاکمین ہونا اللہ تعالیٰ کی ابدی صفت ہے۔

دوسری جگہ اس کے آگے چلکر مذکور ہے:۔

كقوله تعالى "ان الانسان لفي خسر الا الذين امنوا" فاعفوا واصفحوا حتى ياتي الله بامره" و غيرذلك من الآيات التي خصت باستثناء او غاية وقد اخطأ من ادخلها في المنسوخ ۔

"ان الانسان لفي خسر" اور فاعفوا واصفحوا حتى ياتي الله بامره" اور اسی طرح کی ان سب آیتوں کو جنکی تخصیص، استثناء اور غایت کے ذریعہ سے کی گئی ہے، جن لوگوں نے منسوخ آیتوں میں داخل کیا ہے انہوں نے غلطی کی ہے

حاصل بحث

ان جھگڑوں کے طے ہوجانیکے بعد یہ اچھی طرح روشن ہوگیا کہ مطلق کا مقید ہوجانا، مبہم کا مفسر ہوجانا، مجمل کا مبین ہوجانا، عام کا خاص ہوجانا وغیرذلک، نسخ نہیں ہے کیوں کہ ان صورتوں پر "ازالۃ للحکم بحیث لایجوز امتثالہ" صادق نہیں آتا ہے، بلکہ تغیر اوصاف بآیت دیگر ہے، جس کو نسخ سے کوئی تعلق نہیں ہے، دوسرے یہ کہ نسخ کا امکان اگر ہوسکتا ہے تو ایسے حکم عملی میں جو "حسن لذاتہ۔ قبیح لذاتہ" اور موقت اور ابدی حکم نہ ہوں ورنہ اس کو نسخ سے کوئی تعلق نہ ہوگا، اس کے بعد اب قارئین اور ناظرین کیلئے اور ہمارے لئے اس دھینگا مشتی کا منظر پُرلطف ہوگا جس کو ہم ذیل میں پیش کرنے والے ہیں، کس بے اعتنائی

ے اولوالعزم مکثرین نے قرآن مجید کی آیتوں کو ناسخ و منسوخ ٹھہرایا ہے۔

مرقع نسخ مکثرین

اس بحث کیلئے کہ اولوالعزم مکثرین نے قرآن مجید کی آیتوں کو کس بے اعتنائی سے ناسخ و منسوخ ٹھہرایا ہے، ہم علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "معرفۃ الناسخ والمنسوخ" کو سامنے رکھتے ہیں۔

علامہ ممدوح نے پہلے ایک فہرست دی ہے، جس میں یہ بتایا ہے، کہ کن کن سورتوں میں نسخ کو جگہ ملی ہے اور کن کن سورتوں میں نہیں چنانچہ آپ کی تحقیقات کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی کل سورتوں میں (جو ایک سو چودہ ہیں) تینتالیس ۴۳ سورتوں میں نسخ نہیں ہے، اس کے علاوہ اکہتر (۷۱) سورتوں میں نسخ پایا جاتا ہے، آیتوں کا تو شمار ہی فضول ہے۔

اس فہرست کے بعد آپ ایک عنوان "باب الاعراض عن المشرکین" قائم کرکے اس کے نیچے یہ عبارت لکھ کر "مائۃ واربع عشرۃ آیۃ ھن فی ثمان واربعین سورۃ" (یعنی مشرکوں سے اعراض کرنے کا حکم ایک سو چودہ آیتوں میں ہے جو مختلف اڑتالیس سورتوں میں ہیں) ان سورتوں کے نام گنائے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ان آیتوں کی طرف اشارہ بھی کرتے گئے ہیں، آخر میں چلکر ان سب (یعنی ۱۱۴) آیتوں کیلئے یہ حکم فرمایا گیا ہے۔

نسخ الکل بقولہ عزوجل فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم فی سورۃ التوبۃ سنذکرھا فی مواضعھا ان شاء اللہ تعالیٰ

سورۂ توبہ کی آیت "فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم" سے یہ سب آیتیں منسوخ ہیں، اور ان سب آیتوں کو ہم انشاء اللہ تعالیٰ اپنی اپنی جگہ ذکر کرینگے،

حالانکہ اعراض عن المشرکین کی کل آیتیں بغولے "فاعفوا واصفحوا حتی یاتی اللہ بامرہ" موقت ہیں اور مخصوص بالغایۃ ہیں جن میں نسخ کا احتمال تک نہیں ہوسکتا ہے، چنانچہ اتقان میں اس تصریح کے بعد کہ وہ آیتیں جو بذریعۂ استثنا یا غایت کے مورد تخصیص میں آجاتی ہیں ان کو نسخ میں داخل کرنا غلطی ہے، آگے چل کر صاف لفظوں میں یہ تصریح موجود ہے۔

اذا علمت ھذا فقد خرج من الآیات التی اوردھا المکثرون الجم الغفیر مع آیات الصفح والعفو ان قلنا ان آیۃ السیف لم تنسخھا۔

جب تم اس سے واقف ہوگئے تو وہ کل آیتیں جن کو آیات عفو و درگذر کے ساتھ حضرات مکثرین نے ذکر کیا ہے سب کی سب نسخ سے خارج ہوجائینگی اگر ہم کہیں کہ آیت سیف نے ان کو منسوخ نہیں کیا ہے۔

وفیہ ایضًا۔

قال ابن العربی کل ما فی

ابن عربی کا قول ہے کہ قرآن میں جتنی

القرآن من الصفح عن الكفار والتولي والاعراض والكف عنهم منسوخ باية السيف وهي فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشركين الاية، نسخت مائة واربعا وعشرين اية ثم نسخ اخرها اولها وقد تقدم ما فيه۔

آیتیں کفار سے درگذر اور تسامح اور اعراض اور علیحدگی کے متعلق ہیں، وہ سب آیت سیف سے منسوخ ہیں یعنی آیت فاذا انسلخ الاشہر الحرم فاقتلوا المشرکین ایک سو چوبیس (۱۲۴) آیتوں کے لئے ناسخ ہے اور اس آیت کے آخری ٹکڑے نے اس آیت کے اول حصہ کو منسوخ کر دیا ہے اور ابن عربی کے اس قول پر جو اعتراض وارد ہوتا ہے وہ پہلے گذر چکا ہے۔

یعنی ان آیتوں کو جو موقت ہوں اور ان کی تخصیص بذریعہ غایت وغیرہ کے قرآن مجید میں مذکور ہے تو ان کو منسوخ قرار دینا صدر کی تصریح کی بنا پر اس لئے غلط ہے کہ توقیت منافی نسخ ہے، لہذا ایک سو چودہ (۱۱۴) آیتوں کو جو سب کی سب موقت ہیں ان کو منسوخ کہنا اصولی غلطی ہے، کما تقدم مرارًا۔

علاوہ بریں ان میں اکثر آیتیں خبری ہیں جن کے متعلق یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ ایسی آیتیں محل نسخ نہیں بن سکتی ہیں، بہرکیف علامہ ممدوح نے اسکے بعد ہر صورت کو لیکر اس کی منسوخ آیتوں کو گنانا شروع کیا ہے، مشتے نمونہ از خروارے

چار پانچ آیتیں بالترتیب لکھی جاتی ہیں

سورة البقرة وهی مدنية
ففيها ستة وعشرون منسوخا
فاول ذلك قوله تعالی ان
الذين امنوا والذين هادوا الخ
منسوخة وناسخها قوله تعالی
من يبتغ غير الاسلام دينا فلن
يقبل منه۔ الاية الثانية قوله
تعالی وقولوا للناس حسنا الخ
منسوخة وناسخها اية السيف
قوله تعالی فاقتلوا المشركين حيث
وجدتموهم الاية الثالثة قوله تعالی
فاعفوا واصفحوا حتی ياتی الله بامره الخ
منسوخة وناسخها قوله تعالی قاتلوا الذين
لا يؤمنون بالله ولا باليوم الاخر الخ
والاية الرابعة قوله تعالی ولله المشرق و
المغرب هذا محكم والمنسوخ منها قوله

سورہ بقرہ مدنی سورت ہے۔ اس میں
چھبیس (۲۶) آیتیں منسوخ ہیں،
پہلی منسوخ آیت ان الذين امنوا
والذين هادوا الخ ہے اور اس
کا ناسخ من يبتغ غير الاسلام دينا
فلن يقبل منه ہے دوسری منسوخ
آیت قولوا للناس حسنا ہے اور
اس کا ناسخ آیت سیف یعنی فاقتلوا
المشركين حيث وجدتموهم ہے
تیسری منسوخ آیت فاعفوا واصفحوا
حتی ياتی الله بامره ہے اور اس
کا ناسخ قاتلوا الذين لا يؤمنون
بالله ولا باليوم الاخر ہے۔ چوتھی
آیت لله المشرق والمغرب یہ ٹکڑا
محکم ہے، مگر اس کا ایک ٹکڑا ایسا
تولوا فثم وجه الله منسوخ ہے

قولہ فاینما تولوا فثم وجہ اللہ ،، وناسخہا
قولہ تم وحیثما کنتم فولوا وجوہکم
شطرہ الایۃ انما نسختہ قولہ تم ان
الذین یکتمون ما انزلنا من البینات
والہدیٰ الخ نسخہا اللہ تعالیٰ باستثنائہا
فقال الا الذین تابوا واصلحوا
وبینوا "

اور اس کا ناسخ وحیثما کنتم
فولوا وجوھکم شطرہ ہے پانچویں
منسوخ آیت ان الذین یکتمون ما
انزلنا من البینات والھدیٰ
ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے استثنار
یعنی الا الذین تابوا واصلحوا
بینوا سے منسوخ کیا ہے ۔

پہلی آیت جس کو منسوخ بتایا گیا ہے ، پوری یوں ہے ۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ
هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ
مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا
فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ
رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۔

بے شک مسلمان اور یہودی اور عیسائی اور
صابئین ان میں سے جو لوگ اللہ پر اور
آخرت پر ایمان لائے اور اچھے کام کرتے
رہے تو ان کو ان کا اجر خدا کے ہاں ملے
گا اور ان پر نہ خوف طاری ہوگا ، اور
نہ وہ آزردہ خاطر ہوں گے ۔ ....

....

یہ دونوں آیتیں علاوہ اس کے کہ خبری ہیں ، ان میں کسی طرح کا معنوی تضاد بھی نہیں ہے ، کیوں کہ اسلام ، ایمان باللہ

(جو اقرار رسالت کو مستلزم ہے[۵۹]) اور ایمان بالآخرۃ اور عمل صالح کا غیر نہیں ہے بلکہ اسی کا نام اسلام ہے۔ تو پھر نہ معدوم نسخ کی کیا ضرورت لاحق ہوئی اور کون سے تضاد اور تناقض پر نسخ کا حکم کیا گیا۔

ذہن کو غلط فہمی سے بچانے کیلئے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ قرآن کے اسلوب بیان میں "ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ" تمام ایمانیات کو شامل ہے اور پورے مسلمان ہونے کے مرادف ہے، اسی وجہ سے منافقوں کے اس بیان پر کہ "آمنا باللہ وبالیوم الآخر" یعنی ہم پکے مومن ہیں، ان کے رد میں یہ کہا گیا کہ "ماھم بمؤمنین" یہ لوگ مومن نہیں ہیں، اسی طرح سورۂ مجادلہ میں "لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ" میں

---

[۵۹] ایمان باللہ سے مراد یہ نہیں ہے کہ جس کا جی جسطرح چاہے اللہ کو ماننے چاہے وہ یونانی فلاسفہ کی طرح مانے، یا عیسائی کی طرح مانے یا مشرکین اور بت پرستوں کی طرح مانے، یا آریہ سماجی کی طرح مانے یا آج کل کے موحدین کی طرح مانے یا اپنے جی سے کوئی ڈھنگ کا خدا تصنیف کرے۔

یہ اسلامی ایمان باللہ نہیں ہوگا، اسلامی ایمان باللہ وہ ہے کہ جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا پر ایمان لانے کو بتایا۔ جو اس طرح پر خدا پر ایمان لائے اور اس طرح پر جو ایمان باللہ ہوگا وہ اقرار رسالت کو مستلزم ہوگا۔ ۱۲ (مولف)

ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت پورے مسلمان ہونیکے معنی میں ہے، چنانچہ اسکے بعد ان کے حق میں یہ ارشاد ہوا

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَ اَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (مجادلہ ع ۳ پ ۲۸)	یہ لوگ وہ ہیں کہ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو ثبت کردیا ہے اور اپنے غیبی فیضان سے ان کی مدد فرمائی ہے۔

دوسری آیت کی تحقیق پہلے چند جگہ گذر چکی ہے۔

تیسری آیت صاف موقت ہے جس میں نسخ کا احتمال تک نہیں ہو سکتا ہے اور اس کی تحقیق بھی پہلے گذر چکی ہے

چوتھی آیت علاوہ اس کے کہ خبری ہے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ساری دنیا خدا کی ہے جدھر تم رخ کروگے اور جس طرف بھی تم متوجہ ہوگے وہیں تم کو خدا کی ذات ملے گی اور دوسری آیت خاص نماز کے قبلہ کی تعیین میں ہے، جو سیاق آیت سے ظاہر ہے، ارشاد ہے

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ	ہم آپ کا آسمان کی طرف منھ کو پھیرنا دیکھ رہے ہیں تو آپ جو قبلہ پسند کرتے ہیں ہم آپکو اسی طرف پھر جانے کا حکم دینگے پس آپ مسجد حرام کی طرف منھ پھیر لیجئے اور مسلمانوں تم بھی جہاں کہیں

شطرہ (بقرہ ع ۱۷ پ ۲) تو مسجد حرام کی طرف منہ پھیر لیا کرو۔

پس پہلی آیت خدا کے محیط کل ہونے کے بیان میں ہے اور دوسری آیت تعیین جہت صلوٰۃ کے لئے ہے اور باہم دونوں آیتوں میں کوئی تضاد و تناقض نہیں ہے

پانچویں آیت کے نسخ کے متعلق خود علامہ کی یہ تصریح ہے کہ "نسخہا اللہ تعالیٰ بالاستثناء" اس آیت کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ استثناء کے نسخ فرمایا، حالانکہ صدر کی بحث سے یہ بات روشن ہو چکی ہے کہ استثناء کو نسخ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

الحاصل اولوالعزم مکثرین نے اسی طرح کی آیتوں کو جمع کر کے نہایت بے اعتنائی سے ناسخ و منسوخ بتایا ہے اور قرآن مجید کے ایک کثیر حصہ کو بلا وجہ اور بے سود ناقابل عمل قرار دیا ہے فالی اللہ المشتکی۔

الفوز الکبیر میں ہے۔

باب نسخ نزدیک ایشاں	باب نسخ ان کے نزدیک ایک وسیع
باب واسع آمد و عقل را دراں	باب ہے جس میں عقل کو جولانی کا موقع
جولانی شد و اختلاف را	ملا اور اختلاف کیلئے گنجائش نکلی اور اسی
گنجائش ولہذا عدد آیات منسوخہ	سبب سے منسوخ آیتوں کی تعداد پانچ سو
بپانصد رسانیدہ واگر نیک	تک پہنچا دی گئی اور اگر ذرا غور سے اور دقت
بنگاہی غیر محصور است۔	نظر سے کام لو تو پھر غیر محصور تعداد ہے۔

پھر بھی انصاف یہ ہے کہ وہ اس جہت سے قابل الزام نہیں ہیں کہ وہ نسخ کو بہت ہی عام معنی میں استعمال کرتے ہیں جس کو متاخرین کے نسخ سے نہ کوئی تعلق ہے، نہ متاخرین کو اس سے انکار ہے، نہ ایسا نسخ قابل اعتراض ہے کیونکہ الہامی کتاب کے منافی وہ نسخ ہے جس کی تعریف "ازالۃ للحکم بحیث لایجوز امتثالہ" ہے یا دوسرے لفظوں میں وہ نسخ ہے جس کا منشا دو آیتوں کے اندر حقیقۃً اختلاف اور تضاد کا پایا جانا ہے۔

علامہ سیوطیؒ کا فیصلہ

قرآن مجید میں کل انیس آیتیں منسوخ ہیں

یہ شبہ یا خلش کہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ باوجود اس کے کہ نسخ کے معنی "ازالۃ للحکم بحیث لایجوز امتثالہ" کرتے ہیں، پھر بھی انیس آیتوں میں نسخ کے قائل ہیں، یہ کہنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید میں نسخ نہیں ہے، تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ خدا غریق رحمت کرے حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کو کہ ان انیس آیتوں میں سے بھی چودہ آیتوں کی تطبیق دے کر دنیا پر احسان عظیم کر گئے (فجزاہ اللہ خیر الجزاء) رہیں پانچ آیتیں تو ان کی تطبیق بھی علمائے سلف وخلف کے اقوال سے ملے گی جس سے یہ فیصلہ ہو جائے گا کہ واقعۃً قرآن مجید کی کسی آیت میں نسخ نہیں ہے۔

Scanned with CamScanner

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ الفوز الکبیر میں لکھتے ہیں

آنچہ باصطلاح متاخرین منسوخ است عدد قلیل بیش نیست لاسیما بحسب توجیہے کہ ما اختیار کردہ ایم، شیخ جلال الدین سیوطیؒ در اتقان بعد ازاں کہ از بعض علمار آنچہ مذکور شد بہ بسط لائق تقریر نمود آنچہ بروفق شیخ ابن العربی محرر کردہ قریب بست شمرد، فقیر را در اکثر آں بست نظر است

متاخرین کی اصطلاح پر جو کچھ منسوخ ہے وہ عدد قلیل ہے زیادہ نہیں ہے، خصوصاً اس توجیہ پر جس کو ہم نے اختیار کیا ہے، اتقان میں علامہ سیوطی نے بعض علمار سے نسخ کے متعلق جو کچھ مذکور ہے بسط طریق پر نہایت بہتر تقریر کی ہے اور شیخ ابن عربی کی موافقت کی بنا پر علامہ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے تقریباً بیس ۲۰ آیتوں کو منسوخ بتایا ہے لیکن فقیر کو ان بیس ۲۰ آیتوں میں سے اکثر آیتوں پر اعتراض ہے،

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی

علامہ سیوطیؒ کی انیس ۱۹ آیتوں میں سے چودہ ۱۴ آیتوں کی تطبیق

(۱) فمن البقرۃ کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت الآیۃ منسوخۃ قیل بآیۃ المواریث

سورۂ بقرہ کی منسوخ آیتوں میں سے ایک آیت "کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت" ہے ایک قول ہے کہ آیت مواریث سے

وقيل بحديث لا وصية لوارث وقيل بالاجماع حكاه ابن العربي قلت بل هي منسوخة باية يوصيكم الله في اولادكم وحديث لا وصية مبين للنسخ

منسوخ ہے، ایک قول ہے کہ حدیث "لا وصیۃ لوارث" سے منسوخ ہے، ایک قول ہے کہ اجماع سے منسوخ ہے اس کی حکایت ابن عربی نے کی ہے میں کہتا ہوں کہ یہ قرآن کی آیت "یوصیکم اللہ فی اولادکم" سے منسوخ ہے اور حدیث "لا وصیۃ لوارث" نسخ کیلئے مبین ہے۔

ان پانچ آیتوں میں سے یہ پہلی آیت ہے جسمیں شاہ صاحبؒ نسخ کے قائل ہیں۔

(۲) قوله تعـ وعلى الذين يطيقونه فدية "قيل" منسوخة بقوله، فمن شهد منكم الشهر فليصمه وقيل محكمة ولا مقدرة قلت عندي وجه اخر وهو ان المعنى وعلى الذين يطيقون الطعام فدية - هي طعام مسكين. فاضمر قبل

"وعلى الذين يطيقونه فدية" کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ سے منسوخ ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ محکم ہے، منسوخ نہیں ہے اور یہاں لفظ "لا" مقدر ہے، میرے نزدیک منسوخ نہیں ہونے کی دوسری وجہ ہے اور وہ یہ کہ "یطیقونہ" میں ضمیر منصوب کا مرجع اضمار قبل الذکر کے اصول پر طعام کا لفظ ہے جو بعد میں مذکور ہے، یعنی اس کا مرجع صیام نہیں ہے، اور طعام سے مراد صدقہ فطر

الذكر لانه متقدم رتبة و	ہے (یعنی جو صدقہ فطر ادا کرنے کی
ذكر الضمير لان المراد من	طاقت رکھتے ہیں، ان پر صدقہ فطر
الفدية هو الطعام والمراد	دینا لازم ہے، نہ یہ کہ جو روزہ کی
منه صدقة الفطر عقب الله	طاقت رکھتے ہیں، وہ بھی روزہ کے
تعالى الامر بالصيام فى هذه	بدلے میں فدیہ دے دیں) اس آیت
الاية بصدقة الفطر	میں صیام کے حکم کے بعد اللہ تعالیٰ نے صدقہ
كما عقب الاية الثانية	فطر کو بیان فرمایا، جیسا کہ دوسری آیت
بتكبيرات العيد -	کے بعد تکبیرات عید کا ذکر ہے۔
(۳) قوله تعالى احل لكم	ابن عربی کی تصریح کی بنا پر "کما
ليلة الصيام الرفث	کتب علی الذین من قبلکم" کا بظاہر مقتضا
ناسخة لقوله، كما	یہ ہے کہ آج شریعت اسلامیہ میں بھی
كتب على الذين من	اہل کتاب کی طرح نیند آجانے کے بعد
قبلكم، لان مقتضاه	کھانا پینا جماع حرام ہو، یہ خدا کے
الموافقة فيما كان	ارشاد "احل لکم لیلۃ الصیام الرفث"
عليهم تحريم الاكل	سے منسوخ ہے اور ایک دوسرا قول
والوطى بعد النوم ذكره	بھی ہے کہ اس آیت نے اس چیز کا
ابن العربي وحكى قولا	نسخ کیا جو سنت سے ثابت ہے، یعنی

اخرانه نسخ لما ثبت بالسنة قلت معنى كما كتب "التشبيه في نفس الوجوب بلا نسخ - انما هو تغيير لما كان عندهم قبل الشرع ولم نجد دليلا على ان النبي صلى الله عليه وسلم شرع لهم ذلك ولو سلم فانما كان ذلك بالسنة -

کہتا ہوں کہ کما کتب کے لفظ سے محض وجوب صوم کی تشبیہ مقصود ہے پس ان دونوں آیتوں میں نسخ کا منشا نہیں پایا جاتا ہے، ہاں اسمیں اہل کتاب کے ان چند معمولات کی تغییر ضرور ہے جو شریعت اسلامیہ سے پہلے ان میں تھے اور اسپر کوئی دلیل ہم نہیں پاتے ہیں کہ نبی کریم صلعم نے امت مسلمہ کیلئے انکو مشروع فرمایا تھا اور اگر اسکو تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ نسخ سنت کا ہوگا نہ کہ قرآنی آیت کا

مطلب کہ ارشاد نبوی سے بالفرض اس کی مشروعیت تسلیم بھی کر لی جائے، تو اس سے قرآن مجید کی کسی آیت کا نسخ لازم نہیں آئے گا، کیوں کہ قرآن مجید میں اس کی مشروعیت مذکور نہیں ہے۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ حدیث کا نسخ لازم آئے گا۔

(۴) قوله تعالى يسئلونك عن الشهر الحرام الآية منسوخة بقوله "وقاتلوا ...

ابن جریر کی روایت کی بنا پر یسئلونک عن الشہر الحرام "کو" قاتلوا المشرکین کافۃ" سے منسوخ سمجھا جاتا ہے، میں

المشركين كافة" الآية
اخرجه ابن جرير عن
عطاء بن ميسرة. قلت
هذه الآية لا تدل
على تحريم القتال بل
تدل على تجويزه وهي
من قبيل تسليم العلة
واظهار المانع فالمعنى
ان القتال في الشهر الحرام
كبير شديد ولكن
الفتنة اشد منه فجاز في
مقابلتها وهذا التوجيه
ظاهر من سياقها كما لا يخفى
(۵) قوله تعالى والذين
يتوفون الى قوله متاعا الى
الحول منسوخة بآية اربعة
اشهر وعشرا ، والوصية

کہتا ہوں پہلی آیت تحریم قتال پر دلالت
نہیں کرتی ہے ، بلکہ قتال کے
جواز پر مشعر ہے ، اور یہ آیت اس
قبیل سے ہے کہ اس میں شہر حرام کے احترام
کو تسلیم کرتے ہوئے قتال کو خصوصی وجہ
کی بنا پر جائز رکھا گیا ہے جس کو اصطلاح
میں "تسلیم العلۃ واظہار المانع" سے تعبیر
کیا جاتا ہے جس کی بنا پر آیت کا حاصل
یہ ہے کہ شہر حرام میں قتال بے شک
نہایت ہی غیر مستحسن امر ہے لیکن فتنہ اس سے
زیادہ غیر مستحسن امر ہے، لہذا فتنہ کے
مقابلہ میں قتال جائز ہے اور یہ توجیہ سیاق
آیت سے ظاہر ہے ۔ "کما لا یخفیٰ"
"والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا
وصیۃ لازواجہم متاعا الی الحول غیر
اخراج" کو (اس کے قبل کی آیت)
والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا

منسوخة بالميراث والسكنى باقية عند قوم منسوخة عند آخرين بحديث لا سكنى قلت هي كما قال منسوخة عند جمهور المفسرين ويمكن ان يقال يستحب او يجوز للميت الوصية ولا يجب على المرأة ان تسكن في وصيته وعليه ابن عباس وهذا التوجيه ظاهر من الآية -

(٦) قوله تعالى وان تبدوا ما في انفسكم او تخفوه يحاسبكم به الله الآية منسوخة بقوله تعالى لا يكلف

يتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشراً، سے منسوخ کہا گیا ہے اور وصیت کو آیت میراث سے منسوخ سمجھا گیا ہے اور سکنیٰ کا حکم ایک جماعت کے نزدیک باقی ہے اور دوسری جماعت کے نزدیک "لا سکنی" کی حدیث سے منسوخ ہے، میں کہتا ہوں کہ جمہور مفسرین کے نزدیک تو منسوخ ہے لیکن یہ مطلب ممکن ہے کہ متاعاً الی الحول کی آیت میں میت کیلئے وصیت واجب نہیں ہے بلکہ استحباب اور جواز کے درجہ میں ہے اور عورت پر بھی وصیت شدہ مکان میں رہنا وجوب کے درجہ میں نہیں ہے اور یہی ابن عباس کا مسلک ہے اور یہ توجیہ آیت سے ظاہر ہے -

"وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ" خدا کے ارشاد "لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا" سے منسوخ ہے میں کہتا ہوں کہ پہلی آیت سے دوسری

اللہ نفسا الا وسعہا۔ قلت
ھو من باب تخصیص العام
بینت الایۃ المتاخرۃ ان
المراد ما فی انفسکم من
الاخلاص والنفاق لا من
احادیث النفس التی لا اختیار
لہا فان التکلیف لایکون الا
فیما ھو فی وسع الانسان۔

(۷) قولہ تعالیٰ اتقوا اللہ
حق تقاتہ. قیل انہ منسوخۃ
بقولہ فاتقوا اللہ ما استطعتم
وقیل لا بل ھو محکم ولیس
فیہا ایۃ یصح فیہا دعوی
النسخ غیر ھذہ الایۃ قلت
حق تقاتہ فی الشرک و
الکفر وما یرجع الی الاعتقاد
وما استطعتم فی الاعمال

آیت کو نسخ کا تعلق نہیں ہے، بلکہ
تخصیص کا تعلق ہے یعنی دوسری
آیت نے یہ بیان کر دیا کہ "ما فی
انفسکم" میں "ما" سے مراد محض اخلاص
اور نفاق ہے، نہ کہ وہ وساوس و خطرات
جو انسانی اختیار سے باہر ہیں کیونکہ
اللہ کی جانب سے ایسی تکلیف متعلق نہیں کی
جاتی ہے جو انسان کی وسعت سے باہر ہو۔

"اتقوا اللہ حق تقاتہ" کے متعلق ایک
قول یہ ہے کہ "فاتقوا اللہ ما استطعتم"
سے منسوخ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ
محکم ہے اور بجز اس آیت کے کوئی آیت
ایسی نہیں ہے جس کے متعلق نسخ کا
دعوی صحیح ہو۔ میں کہتا ہوں کہ حق تقاتہ
کا تعلق شرک اور کفر اور ان امور سے ہے
جو اعتقادیات سے ہیں اور ما استطعتم
کا تعلق اعمال سے ہے یعنی جس کو

من لم يستطع الوضوء يتيمم
ومن لم يستطع القيام يصلي
قاعدا هذا التوجيه ظاهر من
سياق الآية وهو قوله ولا
تموتن الا وانتم مسلمون -

(٨) قوله تعالى والذين عقدت
ايمانكم فاتوهم نصيبهم
منسوخة بقوله تعالى واولوا الارحام
بعضهم اولى ببعض قلت
ظاهر الآية ان الميراث للموالي
والبر والصلة لمولى الموالات
فلا نسخ -

(٩) قوله تعالى واذا حضر القسمة الخ
قيل منسوخة وقيل لا لكن
تهاون الناس في العمل
بها قلت قال ابن عباس
هي محكمة والامر

جس کو وضو کرنے کی استطاعت نہ ہو تیمم
کرے اور جس کو قیام کی استطاعت
نہ ہو بیٹھ کر نماز پڑھے اور یہ توجیہ آیت کے
سیاق یعنی "لا تموتن الا وانتم مسلمون"
کے قرینہ سے واضح ہے -

"والذین عقدت ایمانکم فاتوھم
نصیبہم" خدا کے ارشاد "اولوا الارحام
بعضہم اولی ببعض" سے منسوخ ہے
میں کہتا ہوں آیت کا کھلا ہوا ظاہر
مفہوم یہ ہے کہ میراث تو موالی کے
لئے ہے اور بر او صلہ مولی الموالات کے
لئے ہے، لہذا نسخ نہیں ہے -

اذا حضر القسمۃ الخ کے متعلق ایک قول ہے
کہ منسوخ ہے دوسرا قول ہے کہ منسوخ نہیں
ہے لیکن عملاً برتاؤ میں لوگ تہاون سے کام
لیتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس
نے فرمایا ہے کہ یہ محکم ہے اور امر

للاستحباب وهذا ا	استحباب کیلئے ہے اور آیت کا یہ کھلا
اظهر۔	ہوا مفہوم ہے۔
(۱۰) قوله تعالىٰ واللاتى	"وَالّٰتِی یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ الخ" آیت
ياتين الفاحشة الامنسوخة	نور سے منسوخ ہے، میں کہتا ہوں کہ اسمیں
باية النور قلت لا نسخ	نسخ کو کچھ دخل نہیں ہے، بلکہ یہ حکم حسب تصریح
فى ذلك بل هو ممتد الى	قرآن مجید ایک محدود زمانہ تک کیلئے ممتد
الغاية فلما جاءت	رکھا گیا تھا، چنانچہ جب اس کا وقت
الغاية بين النبى صلى	ختم ہوگیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
الله عليه وسلم ان السبيل	بیان فرمادیا کہ وہ سبیل موعود یہ ہے
الموعود كذا وكذا فلا نسخ	یہ ہے، لہذا اسمیں نسخ نہیں ہے۔
(۱۱) قوله تعالىٰ ولا الشهر	آیت "وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ" شہر حرام
الحرام الخ منسوخة باباحة القتال	میں اباحت قتل سے منسوخ ہے، میں
فيه قلت لا نجد فى القران ناسخا	کہتا ہوں کہ ہم نہ تو قرآن مجید میں اسکے
له ولا فى السنة الصحيحة ولكن	لئے ناسخ پاتے ہیں نہ صحیح حدیث میں،
المعنى ان القتال المحرم يكون	آیت کا مدلول محض یہ ہے کہ نا روا قتال
فى الشهر الحرام اشد تغليظا	کا شہر حرام میں واقع ہونا نہایت مکروہ
كما قال النبى صلى الله عليه وسلم	امر ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

في الخطبة دماءكم واموالكم
حرام عليكم كحرمة يومكم هذا

(۱۲) قوله تعالى فان جاؤك
فاحكم بينهم او اعرض
عنهم منسوخة بقوله
وان احكم بينهم بما انزل
الله ولا تتبع اهواءهم
قلت معناه ان اخترت الحكم
فاحكم بما انزل الله ولا تتبع
اهواءهم فالحاصل انه لنا
ان نترك اهل الذمة ان
يرفعوا القضية الى زعمائهم
فيحكموا بما عندهم ولنا ان
نقضيهم بما انزل الله
علينا -

(۱۳) قوله تعالى واخران من
غيركم منسوخ بقوله تعالى

خطبہ میں فرمایا دماءکم واموالکم حرام
علیکم کحرمة یومکم ھذا۔

"فان جاؤک فاحکم بینھم او اعرض
عنھم" خدا کے ارشاد "ان احکم بما انزل
اللہ" سے منسوخ ہے، میں کہتا ہوں کہ ثانی
آیت کا مطلب ہے کہ اگر آپ حکم کی حیثیت
سے فیصلہ کرنے کو پسند فرمائیں تو خداوندی
قانون کے مطابق فیصلہ کردیں اور ان کی
خواہش کی کوئی پرواہ نہ کریں حاصل یہ کہ
ذمی یعنی غیر مسلم رعایا کے متعلق ہم کو
یہ اختیار حاصل ہے کہ ان کو چھوڑ دیں کہ وہ اپنے
ذمہ دار لوگوں کے پاس اپنا معاملہ لیجائیں اور
وہ اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کردیں یا انکے
معاملہ کا فیصلہ اپنے ہاتھ میں رکھیں اور شریعت
اسلامیہ کے مطابق فیصلہ کردیں۔

"واخران من غیرکم" خدا کے ارشاد
"واشھدوا ذوی عدل منکم" سے منسوخ

واشهدوا ذوي عدل منكم ۔ قلت قال احمد بظاهر الاية ومعناها عند غيره او اخران من غير اقاربكم فيكونوا من سائر المسلمين ۔

ہے، میں کہتا ہوں کہ امام احمدؒ تو ظاہر آیت کے قائل ہیں، لیکن ان کے سوا اور لوگوں کے نزدیک اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ "او اخران من غیر اقاربکم" بس یہ شاہد بھی مسلمانوں ہی کی جماعت سے ہوں گے۔

(۱۴) ان يكن منكم عشرون صابرون، منسوخة بالاية بعدها قلت كما قال منسوخة ۔

"ان یکن منکم عشرون صابرون" اپنے بعد والی آیت سے منسوخ ہے میں کہتا ہوں کہ جیسا کہ علامہ سیوطیؒ نے فرمایا منسوخ ہی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ان پانچ آیتوں میں سے جن میں وہ نسخ کے قائل ہیں، یہ دوسری آیت ہے۔

(۱۵) قوله تعالى انفروا خفافا و ثقالا منسوخة بآيات العذر، وهو قوله ليس على الاعمى حرج وقوله ليس على الضعفاء الايتين قلت

"انفروا خفافا وثقالا" آیات عذر میں "لیس علی الاعمی حرج" "ولیس علی الضعفاء" سے منسوخ ہے، میں کہتا ہوں کہ خفافاً کے معنی ہیں کہ سامان جہاد مثلاً سواری خدام وغیرہ سے جو کچھ قلیل ہے

خفافا ای مع اقل ما یتاتی به الجهاد
من مرکوب و عبد للخدمة و نفقة
یقنع بها و ثقالا مع الخدم الکثیر
والمرکب الکثیر فلا نسخ او نقول
لیس النسخ متعینا -

(۱۶) قوله تعالی الزانی لا ینکح
الا زانیة " منسوخة بقوله
وانکحوا الایامی منکم
قلت قال احمد بظاهر
الایة و معناها عند
غیره ان مرتکب الکبیرة
لیس بکفوا الا للزانیة
او لا یستحب اختیار
الزانیة وقوله تعالی حرم
ذلك اشارة الی الزنا
والشرك فلا نسخ واما
قوله فانکحوا الایامی

قلیل چیز تم سے ساماں ہو سکے اس کو
لے کر جہاد میں نکلو اور ثقالا کے معنی ہیں
کہ جہاد کے ان سامانوں کو بہتات کے
ساتھ لے کر نکلو، پس اس میں نسخ
کو کوئی دخل نہیں ہے -

۱۶ "اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً" خدا کے
ارشاد "وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ" سے منسوخ
ہے، میں کہتا ہوں کہ امام احمدؒ آیت
کے ظاہر معنی کے قائل ہیں، ان کے
علاوہ دوسرے لوگوں کے نزدیک
آیت کے معنی یہ ہیں کہ گناہ کبیرہ کا
ارتکاب کرنے والا زانیہ کا کفو ہے یا
اس کے معنی یہ ہیں کہ زانیہ سے ازدواجی
تعلقات کو پسند کرنا مستحب اور مستحسن
نہیں ہے اور خداوند تعالیٰ کے ارشاد "حرم ذلک"
میں اسم اشارہ کا مشار الیہ زنا اور شرک
ہے، لہٰذا اس آیت میں نسخ نہیں ہے، اور

نعام لا ينسخ الخاص ۔

'' وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ '' عام ہے جو خاص کو نسخ نہیں کرسکتا ہے ۔

(۱۷) قوله تعالى ليستأذنكم الذين ملكت ايمانكم منسوخة وقيل لا ولكن تهاون الناس في العمل بها قلت مذهب ابن عباس انها ليست بمنسوخة وهذا اوجه واولى بالاعتماد ۔

'' لِيَسْتَأْذِنْكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ '' منسوخ ہے اور ایک قول یہ ہے، کہ منسوخ نہیں ہے لیکن عملاً لوگ اس میں سستی اور تہاون سے کام لیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباسؓ کا مذہب ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور یہ اوجہ ہے اور یہ زیادہ اعتماد کے لائق ہے ۔

(۱۸) لا يحل لك النساء من بعد الاية منسوخة بقوله انا احللنا لك ازواجك اللاتي قلت يحتمل ان يكون الناسخ مقدما في التلاوة وهو الاظهر عندي ۔

'' لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ '' خدا کے ارشاد '' انا احللنا لك ازواجك اللاتي '' سے منسوخ ہے، میں کہتا ہوں کہ اس صورت میں ناسخ باعتبار تلاوت کے مقدم ہے، اور میرے نزدیک یہی واضح امر ہے ۔

ان پانچ آیتوں میں جن میں شاہ صاحبؒ نسخ کے قائل ہیں یہ تیسری آیت ہے

(۱۹) قوله تعالى اذا ناجيتم

'' اذا ناجیتم الرسول فقدموا '' اپنے بعد

الرسول فقدموا الآية منسوخة بالآية التي بعدها قلت كما قال۔

کی آیت سے منسوخ ہے میں کہتا ہوں کہ جیسا کہ علامہ سیوطیؒ نے فرمایا ہے منسوخ ہی ہے۔

شاہ صاحبؒ کے نزدیک یہ چوتھی منسوخ آیت ہے۔

(۲۰) قوله تعالى فاتوا الذين ذهبت ازواجهم مثل ما انفقوا قيل منسوخة باية السيف وقيل باية الغنيمة وقيل محكم ولكن الحكم في المهادنة وعند قوة الكفار۔

"فاتوا الذين ذهبت ازواجهم مثل ما انفقوا،، کے متعلق ایک قول ہے کہ آیت سیف سے منسوخ ہے، دوسرا قول ہے کہ آیت غنیمت سے منسوخ ہے تیسرا قول ہے کہ محکم ہے منسوخ نہیں ہے لیکن حکم کو صورت مہادنت اور غلبہ کفار کے موقعہ سے تعلق ہے۔

(۲۱) قوله تعالى قم الليل الا قليلا منسوخ باخر السورة ثم نسخ الاخر بالصلوة الخمس. قلت دعوى النسخ بالصلوة الخمس غير متجهة. بل الحق ان

"قم الليل الا قليلا" آخر سورت سے منسوخ ہے اور یہ آخری آیتیں پنج وقتہ نماز سے منسوخ ہیں، میں کہتا ہوں کہ پنج وقتہ نماز کو ناسخ ٹھہرانا قابل قبول امر نہیں ہے، بلکہ حق یہ ہے کہ سورہ کے اول میں تہجد کے استحباب کی

اول السورة في تاكيد المندوب الى قيام الليل واخرها نسخ التاكيد الى مجرد الندب

تاکید ہے اور سورت کے آخر میں محض استحباب کو باقی رکھتے ہوئے تاکید منسوخ کر دی گئی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک یہ پانچویں آیت منسوخ ہے

فذلکۃ الکلام

قال السيوطي موافقاً لابن العربي فهذه احدى وعشرون اٰية منسوخة على خلاف في بعضها ولا يصح دعوى النسخ في غيرها والاصح في اٰية الاستيذان والقسمة والاحكام عدم النسخ فصارت تسعة عشر (الفوز الكبير)

ابن عربی کی موافقت کی بنا پر علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رائے ہے کہ بعض آیتوں کے منسوخ ہونے میں اختلاف کئے ہوتے ہوئے، کل اکیس ۲۱ آیتیں منسوخ ہیں جن کے سوا اور کسی آیت میں نسخ کا دعوی صحیح نہیں ہے اور آیت، استیذان اور قسمت احکام، میں نسخ نہ ہونا ہی زیادہ صحیح ہے، اس لئے منسوخ آیتیں کل انیس ۱۹ ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کا فیصلہ
قرآن مجید میں کل پانچ آیتیں منسوخ ہیں

قلت: وعلی ما حررنا لا تتعین — میں کہتا ہوں کہ میری تحقیق کی بنا پر جیسا کہ
النسخ الا فی خمس آیات — ہم نے لکھا ہے فقط پانچ آیتوں میں نسخ ہے

اب یہ مسئلہ کہ ان پانچ آیتوں میں بھی جنہیں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نسخ تسلیم کرتے ہیں تطبیق ممکن ہے یا نہیں؟ اور ان پانچ آیتوں کے متعلق تطبیق کا دعوی کرنا صحیح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کے متعلق نہایت ادب سے ارباب علم کی خدمت میں عرض کرنے کی جرأت کروں گا کہ اگر پانچ سو بلکہ اس سے زیادہ کی حدبندی ٹوٹ کر انیس ۱۹ تک پہنچ سکتی ہے، اور انیس ۱۹ سے گھٹ کر پانچ تک منسوخ آیتوں کی تعداد محدود ہو سکتی ہے اور دلائل کی روشنی میں یہ سب کچھ سلف کے خلاف، خلف کی زبان قلم سے قبول کیا جا سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ آج دلائل کی روشنی میں ان پانچ آیتوں میں بھی تطبیق پیش کی جائے تو محض اس وجہ سے اس کا انکار کر دیا جائے کہ یہ تطبیق چونکہ چودھویں صدی کی ہے اس لئے قابل قبول نہیں ہے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ جہاں نتائج و عبر کا بہت بڑا وسیع باب اپنے اندر رکھتا ہے، ہمارے لئے اس میں یہ کھلا ہوا درس بھی موجود ہے

(۱) سلف صالحین میں بعض ایسے بزرگوں سے جو اپنی جگہ پر علم و فضل کے آفتاب تھے، انسان ہونے کی حیثیت سے مسئلہ نسخ میں بہتیری آیتوں کو ناسخ و منسوخ ٹھہرانے میں تسامح ہوا۔

(۲) اس کے بعد ان کے خلف کو جب ان کے تسامح پر اطلاع ہوئی تو انہوں نے بجائے تقشف سے کام لیکر آنکھ بند کر کے اس کو تسلیم کر لینا ثواب نہیں سمجھا، بلکہ دلائل کی روشنی میں صاف صاف لفظوں میں تسامح کو بیان کر دیا۔

(۳) پھر ان کے اس بیان پر مذہبی دنیا کے اہل علم، اصحاب رائے اور ذمہ دار بزرگوں نے اس طرح کے علمی اختلاف کو نہ تو لامذہبی، بددینی اور الحاد سمجھا اور نہ اس کو مذہبی آزادی سے تعبیر کیا اور نہ اس کو رد کیا۔

(۴) بلکہ دلائل کی روشنی میں جب کبھی کوئی تطبیق پیش کی گئی تو اس کو استحسان کی نظر سے دیکھا گیا اور قبول کیا گیا اور باب نسخ میں خلف کی جانب سے سلف کی رائے سے مخالفت کو خدا اور رسول یا کتاب و سنت کی مخالفت کا درجہ نہیں دیا گیا کیوں کہ کتاب و سنت کا کوئی نص نسخ کا حامی نہیں ہے۔ بلکہ قرآنی نص اس کے منافی ہے کہ قرآن میں وہ نسخ تسلیم کیا جائے جس کی بنیاد دو آیتوں میں تضاد و تناقض پر ہے۔ جس کی بحث گذر چکی ہے۔

(۵) اور حق یہ ہے کہ خود ہمارے سلف نے اپنی زندگی میں اپنے سلف کے علمی مسئلہ میں مخالفت کر کے ہمارے لئے یہ اسوہ چھوڑا کہ آج اگر ہم بھی کسی علمی

مسئلہ میں اپنے سلف سے اختلاف کریں تو یہ ان کی ناروامخالفت نہیں ہوگی بلکہ ان ہی کے اسوے کی پیروی ہوگی پس اس اصول پر اگر ہم یہ عرض کرنے کی جرأت کریں کہ باقی وہ پانچ آیتیں جن میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نسخ کے قائل ہیں وہ سب بھی قابل تطبیق ہیں اور علماء اس طرف گئے ہیں تو محض چھوٹا منہ بڑی بات کہہ کر ردنہ کر دیا جائے گا اور اس کو متقدمین ومتاخرین کی شان میں جو علم وعمل اور فضل وکمال کے آفتاب تھے اور اپنی جگہ پر آپ نظیر تھے سوء ادبی نہ سمجھا جائے گا کیونکہ ؎

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ ؎ آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

مذکورہ بالا پانچوں آیتوں کی تطبیق

پہلی آیت

پہلی آیت جس میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نسخ کے قائل ہیں سورہ بقرہ کی ہے، پوری آیت یوں ہے:-

(۱) كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ (۲۲، پ۲)	جب تم میں سے کسی کے سامنے موت حاضر ہو جائے، اگر مال چھوڑ رہا ہو تو والدین اور اقرباء کیلئے وصیت بالمعروف کا حکم دیا جاتا ہے، یہ حکم متقیوں پر لازم ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ علامہ سیوطیؒ اور ابن عربی کے اس خیال کے تو ساتھ ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے، مگر ناسخ کی تعیین میں شاہ صاحب ان کی اس غلطی کے ساتھ نہیں ہیں کہ اجماع اور خبر آحاد کو نص قطعی کا ناسخ قرار دیں، بلکہ شاہ صاحب کی نظر میں اس کا ناسخ سورۂ نساء کی آیت "یوصیکم اللہ فی اولادکم" ہے

اس آیت میں تسلیم نسخ کا منشا جیسا کہ قائلین نسخ کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ ہے۔ کہ سورۂ بقرہ میں "الوصیۃ" سے وصیت بالمال مراد ہے، اور آیت کا حاصل یہ ہے کہ صاحب ثروت لوگوں پر مرتے وقت والدین اور اقربار کیلئے وصیت کرنی فرض ہے، اور بفحوائے "حقا علی المتقین" ایک لازمی فریضہ ہے، اور دوسری آیت سورۂ نساء میں مال وجائیداد کے متعلق ایک مکمل قانون ہے کہ والدین اور اقربار میں تمہارا مال اس طرح پر تقسیم ہوگا اور بفحوائے "فریضۃ من اللہ" ترکہ کا یہ قانون بھی اپنی جگہ پر اللہ کی جانب سے فریضہ ہے واجب العمل ہے، اور اس میں چون وچرا کی گنجائش نہیں ہے، کیوں کہ بحکم "لاتدرون ایہم اقرب لکم نفعا" محدود علم وعقل رکھنے والے انسان کو کیا خبر کہ نفس الامر اور واقعیت کے لحاظ سے کون زیادہ نفع بخش ہے۔

گویا ایک مال کیلئے دو فریضے ہیں جو قانون کی حیثیت رکھتے ہیں اور انسان عملاً ایسی جگہ لاکر کھڑا کر دیا گیا ہے جہاں سے راستہ دو شاخوں میں منقسم ہوگیا ہے اور وہ عملی اقدام میں متحیر ہے کہ کس طرف گامزن ہو، ایسی حالت میں

شاہ صاحبؒ کا فتویٰ یہ ہے کہ وصیت کی راہ کو چھوڑ دو، ترکہ کی راہ پر لگ جاؤ اور وصیت کو منسوخ و متروک سمجھو۔ مگر یہ فتویٰ اس لئے محل تامل ہے کہ سورۂ بقرہ کی آیت وصیت کیلئے جس آیت کو ناسخ قرار دیا جاتا ہے وہ اس کا ناسخ نہیں بلکہ حامی ہے۔ اور "من بعد وصیۃ توصون بہا او دین" صاف لفظوں میں اس کی طرف مشعر ہے۔ کہ قانون میراث پر قانون وصیت مقدم ہے اور ترکہ کا قانون اس وقت عمل میں لایا جائے گا جب فریضۂ وصیت سے سبکدوشی ہو گی تفسیر مظہری میں ہے۔

قالوا نسخت هذه الآية آية المواريث وقوله صلى الله عليه وسلم ان الله اعطى كل ذي حق حقه الا لا وصية لوارث وفيه نظر لان آية المواريث لا يعارضه بل يؤكده فانها تدل على تقدم الوصية على الوارث فكيف تكون ناسخة والحديث حديث الآحاد ولا يجوز به نسخ الكتاب

قائلین نسخ نے کہا کہ اس آیت کو آیت میراث نے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث "ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ" نے نسخ کر دیا ہے اور اس میں اشکال ہے اس لئے کہ آیت میراث اس آیت کے معارض نہیں ہے بلکہ اس کی تاکید کرتی ہے اور وارث پر وصیت کی تقدیم کرتی ہے، پس وہ کس طرح ناسخ ہو سکتی ہے اور حدیث حدیث احاد ہے جس سے کتاب اللہ کا نسخ جائز نہیں ہے۔

٭ ٭ ٭

میرے خیال میں عملی حیثیت سے یہ الجھن جس کے باعث نسخ کی عمارت کھڑی کرنی پڑی ہے، وہ بقرہ کی آیت میں لفظ "الوصیۃ" وصیت بالمال کے معنی میں لینا ہے، حالانکہ قرآن مجید میں وصیت کے لفظ کو اس مفہوم کے ساتھ کوئی خاص خصوصیت نہیں ہے جس کی بنا پر یہ کہا جائے کہ چونکہ قرآن مجید میں لفظ وصیت کا استعمال ہر جگہ صرف "وصیت بالمال" میں ہوا ہے، لہذا یہاں بھی وصیت سے وصیت بالمال ہی مراد ہوگی۔ قرآن مجید میں وصیت کے لفظ کا اطلاق وصیت بالمال کے علاوہ دوسرے معنوں میں بھی موجود ہے۔ مثلاً

(۱) شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ	مسلمانو! خدا نے تمہیں دین کی وہ شریعت
مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْ	عطا کی جس کی وصیت خدا نے نوح کو کی
اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا	تھی اور اے محمد صلعم! تمہاری طرف ہم نے جس
بِهٖ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى	قانون کی وحی کی ہے اور جس کی وصیت ہم
وَعِيْسٰى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ	نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو کی ہے وہ یہ ہے
وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ	کہ دین اسلام کو قائم رکھیو اور اس میں اختلاف
(شوریٰ ع ۲، پ ۲۵)	نہ ڈالیو۔
(۲) وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهِيْمُ بَنِيْهِ	(حضرت) ابراہیم اور (حضرت) یعقوب نے اپنے
وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ	بیٹوں کو وصیت کی، اے میرے بیٹے خدا نے
اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ	تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا ہے

اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ (بقرہ ع ۱۶ پ ۱)	سو تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان ۔
(۳) اَمْ کُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ وَصّٰكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۔ (انعام ع ۱۷ پ ۸)	کیا جو وقت خدا نے تمکو ان چیزوں کے حرام کر دینے کی وصیت کی تھی اسوقت تم موجود تھے
(۴) وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ (انعام ع ۱۹ پ ۸)	اور جان (جسکے مارنے کو) اللہ نے حرام کر دیا ہے قتل نہ کرو مگر حق پر یہ ہیں وہ احکام جنکی خدا نے تمکو وصیت کی ہے ۔

دراصل جیسا کہ قرائن چاہتے ہیں، سورہ بقرہ کی آیت میں " الوصیۃ " سے خاص وصیت الٰہی یعنی فریضہ توریث مراد ہے اور اس آیت کے نزول کا مقصد یہ اطلاع ہے کہ تمھارے متروکات کے متعلق والدین اور اقربا کے لئے ایک خاص وصیت الٰہی ہے جو تم پر فرض کی گئی ہے اور اسی وصیت الٰہی کا بیان سورۂ نساء میں ہے جس کی ابتداء " یوصیکم اللہ " سے کی گئی ہے اور انتہا میں مکمل قانون میراث بیان کرنے کے بعد بھی صاف لفظوں میں یہ تصریح ہے کہ " وصیۃ من اللہ ، واللہ علیم حکیم "

پس سورۂ نساء کی آیت میراث سورۂ بقرہ کی آیت کی تفصیل اور بیان ہے اور اس بنا پر نہ تو ان دونوں آیتوں میں عملی حیثیت سے کوئی تصادم ہوتا ہے جس کی وجہ سے نسخ ماننا پڑے نہ کسی حدیث سے تعارض لازم آتا ہے نہ قرآن مجید کی آیت میں کچھ محذوف ماننے کی ضرورت پڑتی ہے ۔ نہ قرآن مجید کی

آیت کو غیر متبادر اور بعید از فہم معنی پر محمول کرنا لازم آتا ہے چنانچہ مفسرین نے اس آیت کے تحت میں اس معنی کی تصریح بھی کی ہے، بہ نظر اختصار ذیل میں چند حوالے ہم لکھتے ہیں، ان میں مفسرین نے اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۱) قال قوم انها محکمة ولیس معنی الوصیة مخالفا للمیراث بل المعنی کتب علیکم ما اوصی الله من توریث الوالدین والاقربین فی قوله تعالی یوصیکم الله فی اولادکم الخ (بحر محیط ص ۱۷ ج ۲)

ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ آیت محکم ہے اور آیت وصیت کے معنی میراث کی آیت کے مخالف نہیں ہے۔ بلکہ آیت وصیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالی اپنے والدین اور اقرباء کے میراث کے متعلق یوصیکم اللہ فی اولادکم الخ میں جو وصیت روز اول ہی سے کی ہے وہ تم پر فرض ہے۔

(۲) ومن قال انها ما صارت منسوخة وهذا اختیار ابی مسلم الاصفهانی وتقریر قوله من وجوه احدها ان هذه الآیة ما هی مخالفة لآیة المواریث ومعناها کتب علیکم ما اوصی به الله من توریث الوالدین والاقربین

بعض اسکے منسوخ ہونے کے قائل نہیں ہیں اور ابو مسلم اصفہانی کا مذہب یہی ہے ان کے قول کی تقریر کی چند صورتیں ہیں، ایک یہ کہ یہ آیت میراث کی آیت کے مخالف نہیں ہے اور معنی اس کے یہ ہیں کہ اللہ تعالی نے اپنے والدین اور اقرباء کے میراث کے

من قوله تعالیٰ یوصیکم الله فی	متعلق یوصیکم اللہ فی اولادکم میں جو کچھ
اولادکم (تفسیر کبیر ص۱۶۳ ج۳)	وصیت کی ہے وہ تم پر فرض ہے۔
(۳) قیل ماھی بمخالفۃ لآیۃ	یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت، میراث
المیراث ومعناھا کتب علیکم	کی آیت کے مخالف نہیں ہے اور اس
ما اوصی بہ الله من توریث	آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے
الوالدین والاقربین من	والدین اور اقرباء کیلئے میراث کے متعلق
قوله تعالیٰ یوصیکم الله فی	یوصیکم اللہ فی اولادکم میں جو کچھ وحی
اولادکم (کشاف ص۲۲۱ ج۱)	فرمائی ہے، وہ تم پر فرض ہے۔

اور اگر "کتب علیکم" میں "الوصیۃ" سے فریضۂ توریث مراد نہ لی جائے تو پھر وصیت سے وصیت بالمعروف مراد ہوگی، کیوں کہ بالمعروف کی قید خود آیت میں موجود ہے اور اس بنا پر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جب مالدار انسان مرنے لگے تو اس کا فرض منصبی ہے کہ گھر کے بڑے بزرگ جو صاحب اثر ہوں چاہے وہ والدین ہوں (اگر بقید حیات ہوں) یا دوسرے اقرباء ہوں ان کو اسکی وصیت کر جائے کہ عدل وانصاف سے کام لیں، کوئی شخص کسی کے حصہ میں ظلم وتعدی نہ کرے، اور اسکے ضرر اور نقصان کا خواہاں نہ ہو، بلکہ باہم صلح وملاپ سے ہر کام کو معروف (یعنی قانون شریعت) کے موافق طے کریں۔

اس معنی کو بھی مفسرین نے اختیار کیا ہے اور اسی کی بنا پر بھی نہ

قرآن مجید کے منطوق سے الگ ہونا پڑتا ہے، نہ منسوخ ماننے کی ضرورت پڑتی ہے نہ سلف اور خلف کے مذہب سے اسکو تصادم ہوتا ہے، نہ وصیت بالمال کی فرضیت لازم آتی ہے، صاحب کشاف نے صدر کے معنی کے ساتھ جو مذکور ہو چکا ہے یہ بھی لکھا ہے:۔

او کتب علی المحتضران یوصی للوالدین والاقربین بتوفیر ما اوصی به الله لهم علیهم وان لا ینقص من ایفائهم ۔

اس شخص پر جو دنیا سے رخصت ہو رہا ہے تقدیر الٰہی ہے (یعنی مستوجب ہے) اگر والدین اور اقربا کو یہ وصیت کر جائے کہ خدا نے جسکا جقدر ترکہ مقرر کیا ہے اسکو پورا پورا ادا کریں اور کسی وارث کے حصہ میں نقصان کے درپے نہوں۔

اس معنی کو تفسیر کبیر میں بھی لکھا ہے اور ان ہی الفاظ میں لکھا ہے، نصہٗ ھکذا ۔ وکتب علی المحتضران یوصی للوالدین والاقربین بتوفیر ما اوصی به الله لهم علیهم وان لا ینقص من ایفائهم (ج۳ ص۲۶۲)

بہر حال لفظ "الوصیۃ" یہاں اپنے مفہوم کے اعتبار سے متعین المراد نہیں ہے بلکہ محتمل المراد ہے، لہذا اس کو منسوخ سمجھنا صحیح نہیں ہے، اسی بنا پر حضرت طاؤس، قتادہ، حسن بصری وغیرہم جو علماء متقدمین میں سے ہیں اس کو منسوخ نہیں کہتے ہیں، "افادۃ الشیوخ" میں ہے "طاؤس، قتادہ، حسن بصری گفتہ منسوخ نیست (ص۱۹) اور جب علماء متقدمین بھی اس کو

غیر منسوخ کہتے ہیں تو ایسی حالت میں اس کے منسوخ ہونے کا فتویٰ صحیح نہ ہوگا اور یہ علمی خدمت نہیں ہوگی، علامہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے۔

فان قال فانک قد علمت	اگر قائلین نسخ کہیں کہ تم کو علم ہے کہ اہل علم
ان جماعة من اهل العلم	کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ آیت "الوصیة
قالوا الوصیة للوالدین والاقربین	للوالدین والاقربین" آیت میراث سے
منسوخة بآیة المیراث، قیل	منسوخ ہے تو ان کو جواب دیا جائے گا
لهم وخالفهم جماعة غیرهم	کہ ان کے علاوہ دوسری جماعت نے
فقالوا هی محکمة غیر منسوخة	ان سے اختلاف کیا ہے، ان لوگوں نے
واذا کان فی نسخ ذلک تنازع	کہا ہے کہ یہ محکم ہے غیر منسوخ ہے اور جب
بین اهل العلم لم یکن لنا	اس کے نسخ کے بارے میں اہل علم میں
القضاء علیه بانه منسوخ	اختلاف اور تنازع ہے تو ہمارے لئے
الا بحجة یجب التسلیم	بغیر ایسی دلیل کے جس کی تسلیم واجب ہو اس آیت
لها الخ۔ (تفسیر طبری ص $\frac{۶۶}{۲}$)	پر یہ فیصلہ جائز نہیں کہ وہ منسوخ ہے۔

پھر اسی صفحہ پر یہ بھی لکھا ہے۔

اختلف اهل العلم فی حکم	اس آیت کے حکم کے بارے میں اہل علم
هذه الایة فقال بعضهم	کا اختلاف ہے بعضوں نے کہا ہے
لم ینسخ الله شیئا من	کہ اس آیت کے حکم سے کچھ بھی اللہ تعالیٰ

حکمها انما هی آیة
ظاهرها ظاهر عموم فی
کل والد و والدة والقریب
والمراد بها فی الحکم البعض
منهم دون الجمیع وهو
من لا یرث منهم المیت
دون من یرث اھ

منسوخ نہیں فرمایا ہے اور یہ آیت اپنے
ظاہر مفہوم کے اعتبار سے ہر والد ہر والدہ
اور قریب کیلئے عام ہے مگر باعتبار حکم کے اس
سے بعض مراد ہیں سب مراد نہیں ہیں اور
اجکے لئے یہاں وصیت کا حکم ہے وہ لوگ
ہیں جو شرعاً وارث نہیں ہیں، نہ وہ لوگ
جو شرعاً وارث کے مستحق ہیں۔

علامہ شوکانی نے بھی اس کو لکھا ہے۔ "افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ" میں ہے:۔

شوکانی گفتہ مختلف اند
اہل علم دریں آیت کہ محکم ست
یا منسوخ، جماعتے بداں رفتہ
کہ محکم است وگویند آیت اگرچہ
عام است لیکن معنیٔ او مخصوص
است ومراد بداں از والدین
کسانے اند کہ وارث نمی شوند
یعنے مادر پدر کافر و

علامہ شوکانیؒ نے کہا ہے کہ اہل علم
اس آیت کے بارے میں مختلف الخیال
ہیں کہ محکم ہے یا منسوخ، ایک جماعت
اس طرف گئی ہے کہ محکم ہے اور وہ کہتے
ہیں کہ آیت اگرچہ لفظاً عام ہے لیکن
معنوی لحاظ سے مخصوص ہے کیونکہ
معرف باللام ہے، اور والدین سے مراد
وہ والدین ہیں جو وارث نہیں ہوتے ہیں

کسیکہ در رق است و از اقربین سوا ورثہ ۔ — یعنی غیر مسلم والدین اور جو رقیت میں ہو اور وہ اقربا جو وارث نہیں ہیں۔

دوسری آیت

دوسری آیت جس میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نسخ کے قائل ہیں سورہ انفال کی ہے، پوری آیت یوں ہے :-

اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ اَلْاٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۔

(ع ۹، پ ۱۰)

تم مسلمانوں میں سے صبر پر استقامت کرنے والے اگر بیس ہوں گے تو دو سو کافروں پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے سو ہوں گے تو ایک ہزار پر غالب ہوں گے کیونکہ یہ کافر ایسے لوگ ہیں جو صحیح سمجھ نہیں رکھتے ہیں موجودہ حالت میں خدا کی جانب سے تم کو تخفیف ہے اور خدا کو علم ہے کہ تم میں کمزوری ہے تو اگر ایسی حالت میں تم میں سے سو آدمی صابر ہونگے تو دو سو پر غالب رہینگے اور ایکہزار ہونگے تو دو ہزار پر غالب ہونگے خدا کے حکم سے اور اللہ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے

اس میں پہلی آیت جس میں اپنے سے دس گنا کفار پر غلبہ کی بشارت اور خبر دی گئی ہے منسوخ قرار دی گئی ہے، اور دوسری آیت جس میں اپنے سے دو چند کفار پر غلبہ کی بشارت اور خبر دی گئی ہے ناسخ ٹھیرائی گئی ہے، حالاں کہ ان آیتوں کے اندر امر و نہی کا (جس پر نسخ کا دار و مدار ہے) ایک صیغہ بھی نہیں ہے بلکہ پوری آیت جملہ شرطیہ ہے، جس میں مسلمانوں کو خدا کی طرف سے یہ بشارت دی گئی ہے اور وعدہ کیا گیا ہے کہ اگر تم بمقابلہ کفار کے میدان میں صابر رہے تو خدا کی مدد اور تائید سے اپنے سے دس گنا کفار پر غالب رہو گے۔

علامہ زمخشریؒ نے کشاف میں لکھا ہے:-

وھذہ عدۃ من اللہ و بشارۃ بان الجماعۃ من المومنین ان صبروا غلبوا علی عشرۃ امثالھم من الکفار بعون اللہ وتائیدہ۔	یہ اللہ کی جانب سے وعدہ اور بشارت ہے کہ مسلمانوں کی جماعت اگر صابر رہے گی تو اللہ کی تائید اور مدد سے اپنے سے دس گنا کفار پر غالب ہو گی۔

اور ایسی آیتوں کے متعلق جن کو وعدہ اور وعید سے تعلق ہو گذشتہ مباحث میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ ان میں نسخ نہیں ہوتا ہے اور صاحب اتقان کی صاف لفظوں میں یہ تصریح گذر چکی ہے:-

لا یقع النسخ الا فی الامر	نسخ کا انحصار امر و نہی پر ہے چاہے

والنهي ولو بلفظ الخبر	وہ امر بصیغۂ خبری کیوں نہ ہو اسکے علاوہ
اما الخبر الذي ليس	ایسے خبری جملے جس میں طلب کے معنی نہ
بمعنى الطلب فلا يدخله	ہوں انمیں نسخ نہیں ہو سکتا ہے اور ان
النسخ ومنه الوعد والوعيد	ہی جملہ خبریہ کے حکم میں (جنمیں نسخ نہیں ہو سکتا
واذا عرفت ذلك عرفت	ہے) وعدہ اور وعید کی آیتیں بھی ہیں اور
صنع من ادخل في كتب	جب تمہیں یہ حقیقت معلوم ہو گئی تو ان لوگوں کی
النسخ كثيرا من ايات	حقیقت بھی منکشف ہو گئی جنہوں نے بکثرت
الاخبار والوعد والوعيد	ایسی آیتوں کو جو وعدہ و وعید سے تعلق رکھتی ہیں اور
۞ ۞ ۞	خبری آیتیں ہیں منسوخ آیتوں میں داخل کر دیا ہے

پس اس تصریح کے بعد کہ سورۂ انفال کی مذکورۂ بالا آیتوں میں امر و نہی نہیں ہے بلکہ اس کو وعدہ الٰہی اور بشارت خداوندی سے تعلق ہے اس میں نسخ کا اعتبار کرنا قانون نسخ کے خلاف ہے اور بغیر کسی خاص مجبوری اور قرائن صارفہ کے بشارت اور وعدہ کی آیت کو توڑ مروڑ کر امر کے معنی میں بنانا اور پھر اسمیں نسخ ماننا جیسا کہ بعض مفسرین نے کیا ہے خواہ مخواہ کی زبردستی کو راہ دینا ہے اور اولوالعزم مکثرین کی طرح منسوخ آیتوں کی فہرست میں بغیر کسی داعی اور ضرورت کے نسخ کی تعداد میں اضافہ کرنا ہے۔

اور اگر ان دونوں آیتوں کو بالفرض "امر" کے معنی میں تسلیم بھی کر لیا جائے

پھر بھی دونوں کو باہم ناسخ و منسوخ ٹھہرانا اس لئے غلط ہے کہ جن دونوں کو ناسخ و منسوخ ٹھہرایا جاتا ہے معنوی حیثیت سے ہر ایک کے لئے اپنی اپنی نوعیت کے لحاظ سے الگ الگ محل ہے، ان دونوں آیتوں میں مسلمانوں کی دو حالتوں کا بیان ہے، ایک تو یہ کہ ضعف کی حالت ہو اور ایک یہ کہ ضعف کی حالت نہ ہو، ضعف کی حالت میں حکم ہے کہ دو چند سے مقابلہ کرو اور عدم ضعف کی حالت میں حکم ہے کہ دس گنا سے مقابلہ کرو، لہذا دونوں آیتوں میں دو حکموں کا امر دو حالتوں کی بنا پر ہے۔

پس دونوں آیتیں اپنی اپنی نوعیت کے اعتبار سے چونکہ الگ الگ محل رکھتی ہیں اس لئے دونوں کیلئے حکم بھی الگ الگ ہے، نہ کہ پہلی آیت، اور دوسری آیت اپنی نوعیت کے اعتبار سے واحد ہوتے ہوئے باہم حکم میں مختلف ہیں اور ایک دوسرے کے مخالف اور متباین ہیں جس سے ایک کو ناسخ اور دوسرے کو منسوخ ماننا پڑے۔

تفسیر کبیر میں ابو مسلم اصفہانی کی نسبت سے اس مضمون کو امام رازیؒ نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے اور اس امر کو تسلیم کر کے جواب دیا ہے کہ ہم یہ بھی مان لیتے ہیں کہ یہ آیتیں امر کے معنی میں ہیں، پھر بھی نسخ کی ضرورت نہیں ہے۔

وانکر ابو مسلم اصفہانی ھذا ابو مسلم اصفہانی نے اس نسخ کا انکار

النسخ وتقرير قوله ان
يقال انه تعالى قال فى الآية
الاولى وان يكن منكم عشرون
صابرون يغلبوا مائتين فهذا
انما يحمل هذا الخبر على الامر
الا ان هذا الامر كان مشروطا
بكون العشرين قادرين
على الصبر فى مقابلة
المائتين وقوله الان خفف
الله عنكم وعلم ان فيكم
ضعفا يدل على ان ذلك
الشرط غير حاصل فى
حق هؤلاء فصار حاصل
الكلام ان الآية الاولى دلت
على ثبوت حكم عند شرط
مخصوص وهذه الآية دلت
على ان ذلك الشرط مفقود

کیا ہے ان کے قول کی تقریر یہ ہے، کہ
اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں یہ فرمایا ہے
کہ اگر تم مسلمانوں کی جماعت میں بیس ۲۰
آدمی صابر ہوں گے تو دوسو پر غالب
ہوں گے۔ اس آیت کے متعلق ہم
تسلیم کرتے ہیں کہ یہ خبر امر کے معنے
میں ہے لیکن اسکے ساتھ یہ شرط
لگی ہوئی ہے کہ دوسو کے مقابلہ میں
بیس آدمی ایسے ہوں جوان کے مقابلہ
میں ثبات پر قدرت رکھتے ہوں یعنی
ان میں ضعف نہ ہو اور الان خفف اللہ الخ
کی آیت اس پر دال ہے کہ یہ شرط ان لوگوں
میں حاصل نہیں ہے کیونکہ اسمیں ضعف کی
تصریح ہے اس بنا پر پوری آیت کا
حاصل یہ ہوا کہ پہلی آیت ایک خاص شرط
کی صورت میں ایک خاص حکم کے ثبوت پر
دلالت کرتی ہے اور دوسری آیت اس پر

فی حق ھذہ الجماعة	دلالت کرتی ہے کہ یہ شرط اس جماعت
فلا جرم لم یثبت ذلک	میں مفقود ہے پس انتفار شرط چوں کہ
الحکم وعلیٰ ھذا	انتفار مشروط کو مستلزم ہے یہ حکم یقیناً
التقدیر لم یحصل	اس دوسری صورت میں ثابت نہیں ہوگا
النسخ البتة -	لہذا اس توجیہ کی بنا پر اس آیت میں
(تفسیر کبیر)	نسخ نہیں ہے -

تیسری آیت

تیسری آیت جو سورہ احزاب کی ہے منسوخ سمجھی جاتی ہے، پوری آیت یوں ہے "لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَکَ حُسْنُهُنَّ (ع ۶، پ ۲۲)

اس کیلئے جس آیت کو ناسخ بتایا جاتا ہے وہ اسکے پہلے کی آیت ہے جو پوری یوں ہے "یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ الّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیْکَ وَبَنٰتِ عَمِّکَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِکَ وَبَنٰتِ خَالِکَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِکَ الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَکَ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْکِحَهَا خَالِصَةً لَّکَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ (احزاب ع ۶ پ ۲۲)

ان دونوں آیتوں کو اس ترتیب کے ساتھ جس طرح قرآن مجید میں

مذکور ہیں، جب کبھی میں نے پڑھا ان دونوں میں کبھی بھی تضاد اور اختلاف کا احساس نہیں ہوا، پہلی آیت یعنی یا ایہا النبی انا احللنا لک الخ میں یہ بتایا گیا ہے کہ فلاں فلاں نوع کی عورتیں آپ پر حلال ہیں، یعنی اس قسم کی عورتیں محرمات میں داخل نہیں ہیں، دوسری آیت یعنی لا یحل لک النساء من بعد الخ جو اسکے بعد ہے اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان قسموں کے بعد جن کا ذکر پہلی آیت میں ہو چکا ہے دوسری عورتیں حلال نہیں ہیں علامہ ابن جریر طبریؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ باعتبار صحت کے تمام اقوال میں میرے نزدیک یہی قول بہتر ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں۔

اولی الاقوال عندی بالصحۃ قول	میرے نزدیک باعتبار صحت کے
من قال معنی ذلک لا یحل لک	سارے اقوال میں اس شخص کا قول سب سے
النساء الا اللاتی احللتھن لک	بہتر ہے جس نے کہا کہ معنی یہ ہیں کہ
بقولی انا احللنا لک ازواجک	ان عورتوں کے سوا جن کو میں نے اپنے
اللاتی اٰتیت اجورھن الی قولہ	قول " انا احللنا لک ازواجک الخ" سے
وامراۃ مؤمنۃ ان وھبت	حلال کر دیا ہے، دوسری عورتیں حلال
نفسھا للنبی ۔ (طبری ص۲۰ ج۲۲)	نہیں ہیں۔

حضرت مولانا عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تفسیر موضح القرآن میں یہی لکھا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں، یعنی جتنی قسمیں کہہ دیں اس سے زیادہ

حلال نہیں اور جو ہیں ان کو بدلنا نہیں" اب اس تفسیر پر دونوں آیتوں میں
نہ کوئی اختلاف ہے، نہ تضاد ہے، نہ کسی حکم کا ازالہ ہے جو مستلزم نسخ ہو۔

اس آیت کی تفسیر میں بعض اور اقوال بھی ہیں جن کا بیان تفسیر طبری
میں ہے، بعض علماء کے نزدیک "لایحل لک النساء من بعدہ کا مطلب ہے،
کہ ان کے نزدیک اس کا مدلول یہ نہیں ہے کہ طبقۂ اناث کی وہ قسمیں جو اب تک
قانوناً حلال تھیں، وہ اب محرمات کی جنس سے ہو گئیں جس سے تعارض لازم
آئے اور تحریم حلال کو مستلزم ہو۔ بلکہ اس کا مدلول یہ ہے کہ موجودہ
ازواج مطہرات جن کو کاشانۂ نبوت میں باوجودیکہ ہر طرح کی مادی
تکلیف تھی اور بلحاظ بشریت اس کا کبھی احساس بھی ہو جاتا تھا جب نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم الٰہی کے بموجب ان کو اختیار دے کر اس کا موقع دیا
کہ وہ اس امر میں مختار و مجاز ہیں کہ یا تو خدا اور اسکے رسول اور دار آخرت
کو دنیاوی راحتوں اور مسرتوں کے مقابلہ میں اختیار کریں (یعنی اپنی خوشی سے
مصائب کی زندگی کو اپنائیں یا اپنے کو مصائب کی زندگی سے الگ کر لیں) تو
جملہ ازواج مطہرات دامن نبوت سے لپٹ کر رہ گئیں اور عیش منغص کو
متفق اللفظ ہو کر ٹھکرا دیا اور ذات رسالت سے علیحدگی اختیار نہیں کی،
ان ازواج مطہرات کے بعد آپ کیلئے جدید ازدواجی تعلق کے لئے اقدام
حلال نہیں رہا ہے۔

اس حکم کا منشا تحریم حلال نہیں ہے، بلکہ اس کا منشا موجودہ ازواج مطہرات کی بے مثال ایثار کا مکافات ہے، یعنی جب ازواج مطہرات نے اپنی طرف سے اس بے نظیر خلوص وایثار کا عملی رنگ میں ثبوت دیا تو خدا کی طرف سے مکافات کے طور پر ان کا یہ نعم البدل ملا، کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ جس طرح ان پیکر ایثار و اخلاص نے اپنے کو آپ کے ساتھ ہمیشہ کے لئے وابستہ کر دیا آپ بھی اپنی زندگی کو ہمیشہ کے لئے ان ہی کے ساتھ وابستہ کر دیجئے، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ، مجاہد، ضحاک، قتادہ، حسن بصری، ابن سیرین ابوبکر ابن عبدالرحمن بن حارث، ابن ہشام، ابن زید اور ابن جریر سب اس پر متفق ہیں۔

قد اختلف اهل العلم فی تفسیر هذه الآية على اقوال والاول منها محکمة وانه حرم على رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يتزوج على النساء مكافاة لهن بما فعلن من اختيار الله ورسوله والدار الآخرة	اس آیت کی تفسیر میں اہل علم کے چند اقوال ہیں، پہلا قول یہ ہے کہ محکم ہے اور اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حرام ٹھہرا دیا کہ ان بیویوں پر دوسرا نکاح نہ کریں اور یہ حکم اس امر کا مکافات ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے ان کو اختیار دے دیا کہ وہ چاہیں تو

لما خيرهن رسول الله صلى	تو راحت دنیوی کو اختیار کریں یا اللہ
الله عليه وسلم بامر الله	ورسول اور دار آخرت کو تو تمام ازواج
بذلك وهذا قول ابن عباس	نے خدا کو اور دار آخرت کو اختیار کیا یہی
ومجاهد والضحاك وقتادة و	قول حضرت ابن عباس رض اور مجاہد اور
الحسن وابن سيرين وابي	ضحاک اور قتادہ اور حسن بصری، اور
بكر بن عبد الرحمن بن حارث	ابن سیرین اور ابوبکر بن عبدالرحمن
بن هشام وابن زيد وابن	بن حارث ابن ہشام اور ابن زید اور
جرير۔ (فتح البيان)	ابن جریر کا ہے۔

تفسیر ابو سعود میں ہے۔

قال انس رضی الله عنه	حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا
مات عليه الصلوة والتسليم	کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
على التحريم (بر حاشیہ تفسیر کبیر)	اسی حکم تحریم پر وصال فرمایا۔

مطلب یہ کہ "لا یحل لک الخ" کی آیت منسوخ نہیں ہوئی اور آپ کے وصال تک یہ حکم باقی رہا کہ آپ کے لئے ان ازواج مطہرات پر جدید ازدواجی تعلق پر اقدام حلال نہیں ہے یہ تحریم حلال نہیں ہے۔ بلکہ یہ حکم ایسا ہی ہے جیسے کسی چار بی بی والے سے یہ کہا جائے کہ "لا یحل لک النساء من بعد الخ" تمہارے لئے ان کے بعد دوسری عورتوں سے ازدواجی تعلق حلال نہیں ہے، اس کا مطلب

نہیں ہے کہ تم پر تمام عورتیں جو تمھارے لئے شرعاً حلال تھیں، حرام ہوگئیں، بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ ان چاروں بیویوں کی موجودگی میں جدید ازدواجی تعلق پر اقدام تمہارے لئے حلال نہیں ہے۔

حاصل یہ کہ دونوں آیتیں اپنے اپنے مفہوم کے اعتبار سے جداگانہ محل رکھتی ہیں اور جب کہ دونوں اپنے مفہوم و مقصود کے اعتبار سے دو جداگانہ محمل رکھتی ہیں اور ان میں باہم کوئی تعارض نہیں ہے تو ناسخ و منسوخ ٹھہرانا بے ضرورت و بے معنیٰ ہے۔

علاوہ بریں "لا یحل لک النساء من بعد" کو منسوخ بنانا اس لئے صحیح نہیں ہوسکتا ہے کہ یہ آیت بفحوائے "من بعد" موقت بالتابید ہے اور حکم موقت محل نسخ نہیں ہوتا ہے جس کی تفصیل گذر چکی ہے، چنانچہ شیخ ابوالیسرؒ نے صاف لفظوں میں اس کے نسخ کا اسی وجہ سے انکار کیا ہے "تلویح" میں ہے۔

واشار الشیخ ابوالیسر الی	شیخ ابوالیسرؒ نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے
ان الزیادۃ علی التسع حکم	کہ نو سے زیادہ کرنے کی حرمت ایسا حکم ہے جو نسخ کا
لا یحتمل النسخ لان قولہ تعالیٰ	احتمال ہی نہیں رکھتا ہے اسلئے قول باری تعالیٰ میں
من بعد بمنزلۃ التابید اذ	"من بعد" بمنزلہ ابد کے ہے کیونکہ لفظ بعد
البعدیۃ المطلقۃ تتناول	جب بغیر کسی قید کے مطلق استعمال کیا جاتا
الابد (ص ۲۰۹ مصری)	ہے تو ابد کے معنی کو شامل ہوتا ہے۔

پھر علاوہ بریں اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ منسوخ آیت سے پہلے ناسخ آیت نازل کی گئی تو اس مضحکہ خیز بے معنگی کا بھی اعتراف کرنا پڑیگا کہ نعوذ باللہ خداوند تعالےٰ سبحانہٗ نے بغیر کسی داعی اور ضرورت کے فضول ایک ناسخ آیت کو وقت کے پہلے نازل کرکے اسلئے معطل رکھا کہ جب منسوخ آیت کا نزول ہو فورًا اس کی گردن پر نسخ کی چھری پھیر دی جائے ۔ تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرًا

چوتھی آیت

چوتھی آیت سورہ مجادلہ کی جو منسوخ سمجھی جاتی ہے، پوری یوں ہے ۔۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ	مسلمانو! جب تمہیں پیغمبر صلعم سے
الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ	سرگوشی کرنی ہو تو سرگوشی سے پہلے کچھ
نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ذَٰلِكَ خَيْرٌ	صدقہ کردیا کرو یہ تمہارے حق میں باعث
لَّكُمْ وَأَطْهَرُ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا	خیر و طہارت ہے، پھر اگر تم کو مقدور نہ ہو
فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ	تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے، کیا سرگوشی
ءَأَشْفَقْتُمْ أَن تُقَدِّمُوا بَيْنَ	سے پہلے صدقہ کرنے کے حکم سے (اپنے
يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ	افلاس کے باعث) ڈر گئے (کہ افسوس ہم
فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللَّهُ	کو اسپر عمل کرنیکا مقدور نہ تھا) تو جس صورت
عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ	میں تم نے یہ نہیں کیا اور تو ذ تو نہیں، خدا تو

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ الآية (ع، پ ۲۸)	پہلے ہی معاف کرچکا ہے بس تم نماز کو اچھی طرح قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرو۔

اس آیت کے پہلے حصہ کو جس میں "فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقۃ" ہے دوسرے حصہ یعنی "ءاشفقتم" سے منسوخ مانا گیا ہے، اس کی بنیاد "قدموا" پر رکھی گئی ہے، اور امر کو وجوب کے لئے سمجھا گیا ہے، حالاں کہ قرینۂ صارفہ عن الوجوب اس کے بعد "ذلک خیر لکم واطہر" موجود ہے جس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ امر استحباب عہ کیلئے ہے وجوب کے لئے نہیں ہے، یعنی دینا فرض، واجب اور ضروری نہیں ہے، مگر اس میں تمھارے لئے خیر ہے اور بہت طہارت ہے، پس یہاں کسی فرض و واجب حکم کا ازالہ نہیں ہے، ابو مسلم نے لکھا ہے کہ جن جملوں کو ناسخ قرار دیتے ہو ان میں کوئی بات پہلے حکم کی مخالف نہیں یا تاکید ہے یا تشریح، پھر کیوں کر نسخ کہا گیا؟ بلکہ یہ حکم باقی رہا۔

الحاصل "ءاشفقتم" سے ماقبل کی آیت کے حکم کا نسخ نہیں ہوا ہے بلکہ مخلصین اور وفادار صحابہ کیلئے ماقبل کے حکم استحبابی کی اس تخفیف کی بات جو سیاق و فحوائے کلام سے مفہوم ہوتی تھی اعلان و تشریح ہے اور ان کی

عہ لانہ یفہم منہ ان ترک التصدق ایضا ذو خیر وطہارۃ لان المفضل علیہ یکون مشارکا للمفضل فی اصل الفعل فلا یکون التصدق واجبا لان ترک الواجب لا یکون ذا خیر وطہارۃ - ۱۲

تسکین ہے کہ کیا تم مسئلہ تقدیم صدقہ سے اس خیال سے کہ تنگی معاش نے ہم کو
نجوی کے صدقہ سے جو نہایت خیر و طہارت کی چیز تھی روک دیا اور ہم نجوی سے محروم
ہو گئے ڈر گئے تو (سنو) جب تم نے نجوی نہ کیا تو (ڈرو نہیں) خدا تو پہلے ہی (ان ام
تجدد افرما کر) تم پر تخفیف کر چکا ہے۔ پس تم نماز کو اچھی طرح قائم کرو اور زکوۃ دو
اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

پانچویں آیت

سورۂ مزمل کے متعلق شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:۔

قم اللیل الا قلیلا منسوخ باخر السورۃ ثم نسخ الاخر بالصلوٰۃ الخمس قلت دعوی النسخ بالصلوٰۃ الخمس غیر متجھۃ بل الحق ان اول السورۃ فی تاکید الندب الی قیام اللیل واخر ھا نسخ التاکید الی مجرد الندب (الفوز الکبیر)	"قم اللیل الا قلیلا" منسوخ ہے آخر سورت سے اور آخر سورت پنج وقتہ نماز سے منسوخ ہے، میں کہتا ہوں پنج وقتہ نماز سے نسخ کا دعوی بالکل غیر متعلق بات ہے، بلکہ حق یہ ہے کہ سورت کے اول میں تہجد کے استحباب کی تاکید ہے اور سورت کے آخر میں محض استحباب کو باقی رکھتے ہوئے تاکید منسوخ کر دی گئی ہے۔

بظاہر شاہ صاحبؒ کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ سورت کے اول میں جو استحباب
کا حکم تھا وہ حکم آخر میں بھی باقی رہا، صرف اس حکم کی تاکید باقی نہیں رہی، مطلب

کہ حکم تو باقی رہا اسکے وصف میں تغیر ہو گئی اور متاخرین کے ہاں تغیر وصف کا نام نسخ نہیں ہے، بلکہ ازالۂ حکم کا نام نسخ ہے اور وہ یہاں نہیں ہے، لہذا نسخ بھی یہاں نہیں ہے۔

دراصل قرآنی آیت کا بظاہر اقتضاء یہ ہے کہ سورت کے اول میں بفحوائے "قم اللیل الا قلیلا" قیام لیل یعنی تہجد کا حکم صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہے کیونکہ خطاب بصیغۂ امر جو وجوب کے لئے ہوتا ہے صرف آپ ہی کی ذات کے ساتھ ہے اس حکم میں امت شریک نہیں ہے، اگر امت شریک ہوتی اور امت پر بھی تہجد کی نماز فرض ہوتی تو یہ ناممکن تھا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا کوئی فرد تہجد میں تقصیر کرتا، مگر نص قرآنی کی شہادت یہ ہے

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ۔	آپکا رب جانتا ہے کہ آپ اور آپکے ساتھ میں کچھ لوگ دو تہائی رات کے قریب اور کبھی نصف رات اور کبھی ایک تہائی رات (نماز تہجد ا) میں کھڑے رہتے ہیں۔

یعنی صحابۂ کرام میں سے ہر فرد قیام لیل میں شریک نہ تھا بلکہ ان میں سے ایک طائفہ (جماعت) کا اس پر عمل تھا، اس بنا پر بیہقی وقت حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے، کہ یہ وجوب ذات رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص تھا۔

والظاهر عندی ان الوجوب کان مختصا بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم بدلیل قولہ تعالیٰ ان ربك یعلم انك تقوم ادنی من ثلثی اللیل ونصفه وثلثه وطائفة من الذین معك فان کلمة من للتبعیض صریح فی ان الصحابة بعضهم کانوا یقومون دون بعض (تفسیر مظہری ج۱۰ ص۱۰۴)

میرے نزدیک ظاہر امر یہ ہے کہ وجوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے مختص تھا، دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ۰ ان ربک یعلم انک تقوم ادنیٰ الخ ہے اس لئے کہ کلمہ "من" تبعیضیہ اس امر میں صریح ہے کہ بعض صحابہ تہجد پڑھتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے۔

اور اس بات کی تائید کہ تہجد کا وجوب ذات رسالت صلعم کے ساتھ مختص تھا سورہ بنی اسرائیل کی آیت سے بھی ہوتی ہے۔ ارشاد ہے:۔

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۔ (ع۹، پ۱۵)

اور کسی قدر رات کے حصہ میں (بھی) اس میں بیدار ہو کر تہجد کی نماز پڑھئے یہ آپ کیلئے زائد چیز ہے۔

یعنی یہ تہجد کی نماز خصوصیت سے آپ کیلئے امت سے زیادہ واجب ہے

تفسیر بیضاوی میں اس کی تفسیر ان لفظوں میں کی گئی ہے:۔

"نافلة لك" فریضة زائدة لك علی الصلوات المفروضة او فضیلة لك لاختصاص وجوبه بك

فرض نمازوں پر آپ کیلئے یہ زائد فریضہ ہے یا آپ کیلئے یہ اسلئے فضیلت ہے کہ تہجد کا وجوب آپ کیساتھ خاص تھا۔

پھر اس کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے

جس کو حضرت قاضی صاحبؒ نے تفسیر مظہری میں نقل کیا ہے

عن عائشۃ رض ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ثلاث ھن علی فریضۃ وھی سنۃ لکم الوتر والسواک وقیام اللیل فالامر علی ھذا فی الایۃ للوجوب (تفسیر مظہری ص ۱)	حضرت عائشہ رض سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں ہیں جو مجھ پر فرض ہیں اور تمہارے لئے سنت ہیں، وتر، مسواک اور تہجد کی نماز، اس حدیث کی تصریح کی بنا پر آیت میں امر وجوب کیلئے ہے۔

بہرحال سورہ مزمل کے اول میں قم اللیل الخ سے جو وجوب سمجھا جا رہا ہے اس کا تعلق صرف ذات رسالت سے ہے اور بحیثیت فرض کے آپ اسکو ادا فرماتے تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جو جماعت تہجد پڑھتی تھی وہ اتباع نبوی کی شیفتگی کی بنا پر پڑھتی تھی اور پوری جد و جہد کرتی تھی کہ "قم اللیل الا قلیلا نصفہ او انقص منہ قلیلا او زد علیہ" پر اس طرح عمل کرے کہ ارشاد خداوندی کا صحیح معنوں میں حق ادا ہو جائے اور اس جذبہ کی بنا پر وہ ایسی مشقت میں مبتلا ہو گئے تھے کہ پوری رات قیام میں گذار دیتے تھے، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی تھی، حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری میں لکھا ہے

قال البغوی کان النبی صلی اللہ	امام بغوی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ

عليه وسلم واصحابه يقومون	علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب قرآن میں
على هذه المقادير فكان	مذکور شدہ مقادیر پر تہجد پڑھتے تھے ایسے
الرجل لا يدري متى ثلث	آدمی بھی تھے کہ ان کو پتہ نہیں چلتا تھا کہ
الليل ومتى النصف ومتى	کب ثلث ہوا کب نصف ہوا کب ثلثان
الثلثان فكان يقوم حتى	ہوا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس ڈر سے کہ مقادیر
يصبح مخافة ان لا يحفظ	میں کمی نہ ہو جائے تہجد پڑھتے رہتے تھے
القدر الواجب واشتد ذلك	یہاں تک کہ صبح ہو جاتی تھی اور یہ امر
عليهم حتى انتفخت	ان پر اتنا شدید ہو گیا تھا کہ ان کے قدم
اقدامهم فرحمهم الله تعالى	ورم کر گئے تو اللہ تعالیٰ نے صحابہ پر رحم
وخفف عنهم ونسخها بقوله	فرمایا اور ان پر تخفیف کر دی اور فاقرءوا
"فاقرءوا ما تيسر منه" و	ما تیسر سے اسکو نسخ فرما دیا، سورت کے
كان بين اول السورة و	اول حصہ میں اور آخر حصہ میں با اعتبار
آخرها سنة (ص ۱۰۱/۳)	نزول کے ایک سال کا فصل تھا۔

امام بغوی رح نے خدا کی رحمت اور تخفیف کو نسخ سے تعبیر کیا ہے، مگر قرآن نے اسکو نسخ سے تعبیر نہیں کیا ہے، بلکہ کہا ہے کہ :-

عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ	اللہ نے جانا تم اسکو پورا نہ کر سکو گے اس
عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ	لئے تم پر توجہ فرمائی، اب پڑھو قرآن سے

مِنَ الْقُرْآنِ ۔ ط ۔ ۱۱۱۱ ــ جتنا تم کو آسان ہو۔

یعنی سورت کی آخری آیتوں کا نزول اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک سال کے بعد اس لئے نہیں ہوا کہ سورت کی ابتدائی آیتوں کے حکم کا ازالہ کرے ، بلکہ اس کا نزول صحابۂ کرام کی اس مشقت سے مخلصی کیلئے ہوا جو انہوں نے خود و تو رجذبہ اتباع میں اپنے اوپر لاد لیا تھا اور ایسی شدید مشقت میں اپنے کو مبتلا کر لیا تھا جس کے متعلق خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اس کو پورا نہ کر سکو گے اور ہر حال میں نباہ نہ سکو گے ۔ چنانچہ خدا نے اس کی تفصیل بھی کر دی ، کہ

عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى	اللہ کو علم ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ بیمار
وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ	ہوں گے اور بعض لوگ اللہ کا فضل
يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ	یعنی معاش کو تلاش کرنے کے لئے ملک میں
وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ	سفر بھی کریں گے اور بعض اللہ کی راہ میں
سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاقْرَءُوْا مَا	۔ جہاد بھی کریں گے ، لہٰذا جس قدر قرآن کا
تَيَسَّرَ مِنْهُ ۔	پڑھنا آسان ہو اتنا پڑھ لیا کرو۔

بہر حال ابتدائی آیتوں میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے جس میں حضورؐ کو تہجد کیلئے مامور بنایا گیا ہے اور اس امر کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زندگی کے آخری لمحہ تک رہا جیسا کہ محققین علماء کی رائے ہے اور آخری آیتوں میں خطاب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ہے جس سے قرآن مجید کے کسی

حکم کا ازالہ مقصود نہیں ہے جو نسخ کو مستلزم ہو بلکہ اس سے مقصود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس مشقت سے جس کو انہوں نے جوش ایمانی سے اپنے اوپر بغیر امر الٰہی کے لا دیا تھا مخلصی دلانا ہے اور یہ تنبیہ کرنی ہے کہ تم اسکو پورا نہ کر سکو گے اور زندگی کے ان موڑوں میں جن میں تم مبتلا ہونیوالے ہو اسکی نباہ نہ کر سکو گے۔

پس نہ تو سورہ مزمل کی ابتدائی آیتیں منسوخ ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک تہجد کے مامور رہے نہ سورہ مزمل کی آخری آیتیں ناسخ ہیں کیوں کہ یہ قرآن مجید کی کسی آیت کے حکم کا ازالہ نہیں کر رہی ہیں، پس یہاں نسخ کے تصور کا کوئی محل ہی نہیں ہے، کیونکہ نسخ کے معنی ہیں " ازالۃ للحکم بحیث لایجوز امتثالہ "

نتیجہ بحث

ان کل مرحلوں کے طے ہو جانیکے بعد یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ اس رسالہ کا کوتاہ دامن اگرچہ اپنے جمیع مباحث پر مشتمل نہیں ہے پھر بھی اپنے موضوعِ بحث میں ناظرین کیلئے اس قدر کافی اور اطمینان بخش سامان رکھتا ہے کہ اگر انصاف پسند طبیعتیں سرسری نظر سے ایک مرتبہ بھی ابتدا سے انتہا تک مطالعہ کریں گی تو ایقان کی آنکھوں سے اپنے سامنے نسخ کی عمارت کو ڈھیر دیکھیں گی اور اس امر کے باور کرنے پر مجبور ہوں گی کہ قرآن مجید

ہیں کوئی آیت منسوخ نہیں ہے، بلکہ قرآن مجید کی ہر آیت اور ہر حکم بفحوائے
لَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ - وَلَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ: اپنی جگہ پر
محکم ہے اور قرآن مجید میں کوئی ایسا حکم موجود نہیں ہے جس پر عمل کسی زمانہ
میں ہمارے لئے ضروری قرار دیا گیا ہو، اور اس کا ہمیشہ کے لئے اس طرح
ازالہ کیا گیا ہو کہ اس پر کسی حالت میں عمل پیرا ہونا جائز نہ ہو اور اب وہ
آیت قرآن مجید میں محض تبرکاً تلاوت میں ہو۔

اور جب مطلقاً نسخ کا قرآن مجید میں ہونا باطل ہو گیا تو اسکے اقسام
کے نہ بیان کرنے کی حاجت ہے، نہ اس کی تردید کی، کیونکہ انتفار مقسم
انتفار اقسام کو مستلزم ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ

عبد الصمد رحمانی

MAKTABA DARUL-ULOOM
DEOBAND-247554 (U.P.) INDIA